اوم

تمہیں پر ہے جہاں میں آج رونق ناز اردو کو،
سخنگو ہو، سخنداں ہو، تمہیں اہل زباں بھی ہو

کلامِ رونق

یعنی

افتخار الشعرا منشی پیارے لال صاحب رونقؔ دہلوی مرحوم

کے

کلام کا اِنتخاب

جس میں مرحوم کی تمام نظمیں اور دیوان دوم میں سے چیدہ اشعار شامل ہیں۔

مُرتبہ

بانکے بہاری لال دہلوی ایم اے، ایم او ایل، منشی فاضل،
پروفیسر فارسی و اردو سٹی کالج ناگ پور

از طرف
کائستھ اردو سبھا دہلی

اوم

تمہیں پر ہے جہاں میں آج رونق ناز اردو کو،
سخنگو ہو، سخنداں ہو، تمہیں اہل زباں بھی ہو

کلامِ رونق

یعنی

افتخار الشعرا منشی پیارے لال صاحب رونقؔ دہلوی مرحوم

کے

کلام کا انتخاب

جس میں مرحوم کی تمام نظمیں اور دیوان دوم میں سے چیدہ اشعار شامل ہیں۔

مُرتّبہ

بانکے بہاری لال دہلوی ایم اے، ایم او ایل، منشی فاضل،
پروفیسر فارسی و اُردو سٹی کالج ناگ پور

از طرف
کائستھ اُردو سبھا دہلی

(دیال پرنٹنگ پریس دہلی)

افتخار الشعرا
منشی پیاریلعل رونق دہلوی مرحوم

یعنی

افتخار الشعرا منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی مرحوم

کے

کلام کا انتخاب

جس میں مرحوم کی نظمیں اور دیوان دوم میں سے چیدہ اشعار شامل ہیں

مرتّبہ

بانکے بہاری لال دہلوی ایم اے ایم او ایل منشی فاضل

(پروفیسر فارسی و اردو، سٹی کالج ۔ ناگ پور ۔)

قیمت فی جلد ۱۲ ار ۔ کاغذ اعلیٰ عہ ر

ملنے کا پتہ :۔ (۱) کورونیشن بک ڈپو (لالہ کرشن لال نرائن) اس، نئی سڑک دہلی
(۲) سکرٹری کائستھ اردو سبھا دہلی

عرضِ حال

کائستھ اُردو سبھا دہلی اس لئے قایم کی گئی ہے۔ کہ اُن قابل مصنفوں اور شاعروں کے کلام کی اشاعت کرے، جنہوں نے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اور جن کا کلام ابھی تک اشاعت کا محتاج ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف اُن لائق ہستیوں کی یاد ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں تازہ رہیگی۔ بلکہ اُردو زبان کا سرمایہ بھی بڑھ جائیگا

کائستھ اُردو سبھا کی ممبری کا چندہ صرف ۴ر ماہوار یعنی تین روپے سالانہ ہے۔ ہر ممبر کو ہر اشاعت کی ایک جلد مُفت بھیجی جائے گی۔

چندہ سرپرستی کم از کم پانچروپے شروع سال کے لئے ہے۔ آیندہ تین روپے سالانہ۔ لائف ممبری (تا زیست) پچاس روپے۔

جن اصحاب کے پاس اپنا یا بزرگوں کا عمدہ اور غیر شایع شدہ کلام موجود ہو، وہ دفتر کائستھ "اُردو سبھا" دہلی سے خط و کتابت کریں۔

من موہن ایم اے
(پروفیسر فارسی و اُردو ہندو سبھا کالج امرتسر)
سکرٹری کائستھ اُردو سبھا دہلی

نوٹ:-

یہ کتاب اور اس سلسلہ کی دیگر کتب ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں۔

کورونیشن بُک ڈپو (لالہ کشن داس نرائن داس) نئی سڑک دہلی

یا سکرٹری کائستھ اُردو سبھا دہلی

فہرستِ مضامین

تمہیں پر ہے جہاں میں آج رونق نازِ اردو کو
سخنگو ہو، سخنداں ہو تمہیں اہلِ زباں بھی ہو

حالاتِ زندگی[1]

آپ منشی جے نرائن کا بینتھ ماتھر کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی تعلیم پرانے رسم و رواج کے مطابق ہوئی۔ ایک عالم و فاضل مولوی مرزا فضل صاحب مکتب دار محلہ روشن پورہ سے اُس وقت کی رائج درسی کتابیں پڑھیں۔ سن بلوغ پر پہنچتے ہی شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور ایک غزل اپنی لیاقت کے مطابق کہ کر مرزا داغ مرحوم کی خدمت میں برائے اصلاح روانہ کی۔ لیکن اُن کی اصلاح اپنی منشار کے مطابق نہ پاکر مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی سے سلسلہ تلمذ قائم کرکے اُن سے اصلاح لینی شروع کی۔ کیونکہ مرزا داغ کا رنگ زیادہ تر شوخی اور صفائی زبان تک ہی محدود تھا۔ اور رونق صاحب کی طبیعت میں مضمون آفرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ہی مشقِ سخن میں اس قدر استعداد بہم پہنچائی۔ کہ دور دور مشہور ہو گئے۔ منشی چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی کے ساتھ خاص محبت اور سلوک تھا چنانچہ دہلی اور بیرونجات کے بڑے بڑے شاعروں میں دونوں ساتھ ہی شریک ہوا کرتے تھے۔ منشی چندربھان صاحب کیفی کے بھی خاص دوست تھے۔ اور ان ہر دو اصحاب کے فیضِ صحبت سے آپ کے شوقِ شاعری کو چار چاند لگ گئے تھے۔ انہی احباب کی صحبت میں دہلی میں لالہ گردھاری لال وکیل کے مکان پر تقریباً عرصہ سات سال تک

[1] رونق مرحوم کے حالات زندگی دو مہربانوں کی عنایت بے غایت سے بہم پہنچے ہیں۔ ایک استاد بے مثال منشی چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی۔ اور دوسرے عالی جناب منشی چندربھان صاحب کیفی دہلوی جو مرحوم کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے۔ ہم ان دونوں اصحاب کے رہینِ منت ہیں۔

مشاعرے کئے - جن میں دہلی اور بیرونجات کے مشہور شعرا شرکت فرماتے تھے - بعد ازاں حکیم شجاع الدین صاحب کے ایما سے تقریباً ۶ سال تک فراشخانے میں مشاعرے کئے۔ جو ہمیشہ ۴ بجے صبح تک رہا کرتے تھے۔

کچھ دنوں بعد جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغؔ سکندرآبادی، سکندرآباد سے دہلی میں تشریف لے آئے - آپ مرزا غالبؔ مرحوم کے شاگرد رشید منشی ہر گوپال تفتہؔ کے ہونہار شاگرد تھے - ان کی امداد سے جناب فروغؔ کے دولت خانہ میں جو نئی سڑک پر واقع تھا، کئی سال تک کامیاب مشاعرے ہوتے رہے - ایک گلدستہ کمال دہلی کے نام سے جاری کر دیا گیا تھا، جو قریباً ۴ سال تک چھپتا رہا، اور بعد میں کچھ ایسے حالات پیش آئے، کہ مشاعرے موقوف اور گلدستہ کمال دہلی بند کرنا پڑا - اس رسالہ کی ایڈیٹری رونقؔ مرحوم اور رشید اصاحب کے ہی سپرد تھی -

رونقؔ صاحب بڑے خلیق اور ملنسار تھے - زود گوئی اور پُر گوئی میں ماہر تھے، آپ کی نظمیں اور متفرق کلام اخبار دل اور رسالوں میں عام طور پر اور اخبار "تیج" میں خاص طور پر شایع ہوتا رہا ہے -

پیرانہ سالی میں سانس کا عارضہ کمبخت ایسا چمٹا، کہ ۱۹۳۴ء میں جان ہی لے کر گیا - انہماک کا یہ عالم تھا، کہ بستر رنجوری پر بھی منشی مہاراج بہادر برقؔ سے نظمیں سنتے رہے - اور درد و تکلیف کی چارہ سازی اشعار سے کرتے رہے - آپ کی اولاد نرینہ میں دو فرزند یادگار ہیں - بڑے فرزند کا نام منشی رام سہائے ماتھر ہے آپ کی اہلیہ محترمہ ۱۹۲۸ء میں انتقال کر گئی تھیں - قطعۂ تاریخ خود رونقؔ صاحب نے لکھا تھا:-

سر پہ ٹوٹا وہ آہ کوہِ اَلَم	پشت بارِ اَلَم سے ہو گئی خم
آگئی جانِ زار ہونٹوں پر	جینے دیگا نہ اب یہ صدمۂ غم
دل ہے خستہ، جگر برشتہ ہے	بھُونے دیتی ہے سوزش پیہم
آرہا ہے کلیجہ اب مُنہ کو	خون روتے ہیں دیدۂ پُر نم
آرہی ہے صدا یہ وا ویلا	خانہ دل میں ہے بپا ماتم
لکھ سِن فوت رونقِ غمگیں	رحلتِ اہلِ خانہ حیف ستم
	۱۹ ۶ ۲۸

طرزِ کلام

رونق ہمارے ادب کے دورِ جدید کے شعرا میں سے ہیں۔ اُن کے کلام کو ہم اس دور کے اس حصہ میں جگہ دے سکتے ہیں، جسے بعض نقادوں نے دورِ ترکیبی کہا ہے۔ اس سے وہ ماحول مراد ہے جس کے زیرِ اثر ہماری شاعری میں وہ تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں، جنہوں نے اس کو زلف و رُخ، گُل و بلبل، مئے و ساغر اور شمع و پروانہ کی محدود حدود سے نکال کر اُن خیالات سے آشنا کرایا، جو ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں پیدا ہونے شروع ہو رہے تھے۔ اس انقلاب کی بدولت ہمیں اپنے سایۂ شاعری میں غزلیات و قصائد کی بھرمار کے علاوہ اخلاقیات سیاسیات، اجتماعیات، فطریات وغیرہ کے نئے نئے عنا صر نظر آنے لگے۔

کلامِ رونق میں ہمیں جہاں وہ چیزیں ملتی ہیں، جنہیں ہم "پرانا" کہنے لگے ہیں۔ اُن کے ساتھ ساتھ معین موضوعوں پر دلچسپ اور کارآمد نظمیں بھی ملتی ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر رونق اپنے زمانہ کے مشہور شاعروں میں سے تھے۔ ان کا کلام اکثر اخباروں اور رسالوں میں چھپتا رہا۔ اور نظرِ تحسین سے دیکھا جاتا رہا۔ ان کے میدانِ شاعری میں ایک طرف ہمیں قومی جذبات، مذہبی عقیدت اور فطری جذبات انگیزیاں نظر آتی ہیں۔ اور دوسری جانب تغزل سے متعلق شوخی، بلندئ خیال، وحدت الوجودی اور حسنِ تمثیل جیسی شاعرانہ کیفیتیں مسرور کرتی ہیں۔

ان کی نظموں کے عنوانوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ کہیں ہماری موجودہ زندگی کے اہم مسائل۔ مثلاً حُبِّ وطن، نوجوانانِ قوم، غلامی سے نجات، پھوٹ، سودیشی، وغیرہ کے بارے میں خیالات کا اظہار ہے، کہیں شانِ نبی، کرشن درشن، رام بھگتی جیسی نظموں میں

انسانی عظمت کے راز کو عیاں کیا ہے۔ اور جہاں قدرت کے نظاروں سے حظ اُٹھایا ہے - وہاں نمودِ سحر، ابرِ بہار، جشنِ چراغاں کی صورت میں وہ جذبات ہمارے سامنے پیش کئے ہیں -

ملک کی موجودہ مشکل کو سمجھتے ہوئے ایک جگہ کہا ہے :-

تلقینِ صلح ہیں یہ اشاراتِ آشتی
کچھ کر رہی ہے چشمِ سخن گوئے اتحاد

پھر خاک ہوں گی قوم کی شیرازہ بندیاں
بکھرے رہے اگر دل بدخوئے اتحاد

آجائے لیڈرانِ وطن کو اگر ہوش
بن جائے ملک و قوم رضا جوئے اتحاد

پھر لائے اپنا جذبۂ حبِّ وطن یہ رنگ
دل خود بخود کھنچیں طرف کوئے اتحاد

رونق نظر ہے جلوۂ بہبودِ قوم پر
بیٹھے ہیں رُخ کئے ہوئے ہم سوئے اتحاد

اس قسم کی مستقل نظموں کو ہم نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں جمع کر دیا ہے اور اِس حصہ کو اُردو شاعری کی نئی جولانیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں انتخاب غزلیات ہے، ان غزلیات کا انتخاب جواب تک غیر مطبوع رہی ہیں۔ کیونکہ **رونقِ سخن**[1] کے نام سے ان کے اپنے زمانہ میں ہی ایک مجموعۂ غزلیات شایع ہو گیا تھا - ایک غزل گو کی حیثیت سے رونق کے اندر ہمیں وہ رنگینی اور جاذبیت نظر آتی ہے، جسے ہم غزل گوئی کا معیار قرار دیتے ہیں - اُن کی بلند خیالی ان اشعار سے ہویدا ہے۔

کیا اشارہ ہو گیا چشمِ سخن گو کا تری
یک بیک کیوں مائلِ گفتار آنکھیں ہو گئیں

گُل شوخیاں کھلائیں گی زیرِ نقاب کب
رنگیں بنے گی حسن کی سادہ کتاب کب

چشمِ حق بیں کیلئے ہیں ایک ہی دیر و حرم
صاف کعبہ میں نظر آیا جو بتخانہ میں تھا

کیوں کیا غش نہ تجلی نے زمانہ بھر کو
کیا ترے جلوہ کا موسیٰ ہی تماشائی تھا

[1] یہ مجموعہ "نظمِ رنگین" (سنہ ۱۳۲۰ھ) کے تاریخی نام سے موسوم ہے - اور مرحوم کے صاحبزادے لالہ [illegible] سہائے اتھر محلہ نائی واڑہ دہلی سے مل سکتا ہے۔

شاید مسل رہا ہے کلیجہ خیالِ یار — دل میں ہمارے آج خلش کس بلا کی ہے
وہ قتل کو تلے ہوئے ہیں تیز وار کے ساتھ — تلوار کیا رواں نگہِ سرمہ سا کی ہے
تڑپا رہے ہیں پھر خلشِ درد کے مزے — پھر دل کو کچھ تلاش ترے تیرِ ادا کی ہے
تم اپنی وضع کے ہو میں اپنے طریق کا — تمکو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے
لگی ہیں حضرتِ واعظ کی نظریں سوئے مینا — نہ جائے آج چوری کوئی بوتل دیکھتے جاؤ
جب بزمِ وعظ میں کبھی سوجھی ہے جام کی — پہلے زباں پہ پھڑکی ہے قاضی کے نام کی

شوخی کی سوجھتی ہے۔ تو

پرستارِ صنم ہو کر جو ڈھونڈی راہ کعبہ کی — قدم بہکا ہُوا اپنا سوئے بتخانہ آپہنچا
ہم حسیں چاہیں جہاں میں تو بہت اے زاہد — تجھ کو حوریں نہ ملیں گی کہیں جنت کے سوا
میں بے سوچے محبت میں کسے دل اپنا دے بیٹھا — تعجب ہو رہا ہے اپنے اس بیساختہ پن پر
گم ہے تلاشِ یار میں وہ بھی مری طرح — میں اپنی جستجو کروں یا جستجوئے دل
خوف ہے حشر میں میری ہی کہے یا نہ کہے — دل بھی کمبخت کہیں اُن کا طرفدار نہ ہو

حسنِ تمثیل کو باندھا ہے تو دل پر نقش کر دیا ہے۔

رُو برو آدنی کے جھکتے ہیں جو عالی ظرف ہیں — جامِ صہبا دیکھئے مینا کی گردن دیکھئے
سلسلہ زلف زنگِ انقلابِ دہر ہے شاید — اِسے آتا ہے دم بھر میں بگڑ جانا سنور جانا
آنکھیں یہ ایسی ہیں کہ نرگس کے پھول ہیں — ہے زلفِ پُرشکن کہ غزالِ چمن کی شاخ
ناتوانی میری ہمرنگِ نزاکت ہو گئی — وہ جوابِ رگِ گُل ہیں، میں رگِ گُل کا جواب

گرمیِ عشق پیدا ہونے پر کہا ہے۔

پھر گرمیِ الفت نے بھڑکا دیئے ہیں شعلے — پھر سوز ہُوا پیدا پھر لطفِ گداز آیا

ناکامی :-

ہونے کو شاد و کام ہزاروں ہُوئے مگر — ناکام ایک میں تری محفل میں رہ گیا

اِس دُنیا کو اگر ایک فلسفی کی حیثیت سے دیکھا ہے، تو کبھی لا ادریہ ہو کر تعجب کیا ہے۔

حقیقت کچھ نہیں کھلتی الٰہی ماجرا کیا ہے — عجب رازِ نہفتہ ہے اِدھر جانا اُدھر جانا

کبھی اس بات کو زیادہ وثوق سے کہنے کی کوشش کی ہے:-

جو آ کے ہستی میں ہمنے دیکھا وہی عدم میں بھی ہے تماشا
وہاں سے کچھ لوگ آ رہے ہیں یہاں سے کچھ لوگ جا رہے ہیں

لیکن جب اپنے آپ کو اس دُنیا و مافیہا سے الگ کیا ہے، تو وہی شاعرانہ عالم نظر آتا ہے، جسے ہم مسلک شعرا بھی کہتے ہیں۔

بے نیازی ہے نیازِ عشقِ کامل کی دلیل
بندگی سے ایک دن بندہ خدا ہو جائیگا

اور اس حالت میں پہنچ کر بادۂ اُلفت اور شیشہ دل بھی شاعر کے ہم نوا ہیں۔

آرہی ہے بادۂ الفت سے حق حق کی صدا
شیشۂ دل دے رہا ہے شورِ قلقل کا جواب

اور بڑھتے بڑھتے منزلِ مقصود پر جا پہنچتا ہے:-

بنے تصویر میری پھر تری صورت کا آئینہ
ترے جلووں پہ مجھکو اپنے جلووں کا گماں پھر ہو
عین ہوشیاری ہے وارفتہ الفت ہونا
ہم نے دیکھا ہے اسے آپ سے غافل ہو کر

بانکے بہاری لال
سٹی کالج۔ ناگ پور

مارچ ۱۹۳۹ء

ادوم

کلامِ رونق

قومی جذبات

حُبِّ وطن

ہندوستان ہے سببِ فخرِ دو جہاں گردش میں اپنے سامنے رہتا ہے آسماں
رفعت پہ اسکی عرشِ معلّیٰ کا ہے گماں انساں تو کیا فرشتوں کے جھکتے ہیں سر یہاں

صدقے ہے جس پہ خلد یہ وہ سرزمین ہے
گلہائے تر کا اسکے جہاں خوشہ چین ہے

پرچم سے اسکے نیچے ہیں دُنیا کے سب علم شاہانِ مُلکِ غیر بھی بھرتے ہیں اسکا دم
جو سرکشان دہر ہیں رہتے ہیں سر بخم آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں منزل پہ ہر قدم

اِس راہ میں رگڑتے ہیں چلنے کو ایڑیاں
پکڑے ہوئے ہیں پاؤں محبت کی بیڑیاں

پھیلی ہوئی جہاں میں ہے اپنے وطن کی ضو لائی ہے رنگ شمع سرِ انجمن کی ضو
ہر گل میں دیکھتے ہیں بہارِ چمن کی ضو نسریں کی ضو کہیں ہے کہیں نسترن کی ضو

اسکی ضیائے حُسن سے خورشید ماند ہے
چکّر میں صدقے ہونے کو گردوں پہ چاند ہے

روشن جہاں پہ شانِ فضیلت ہے ہند کی
بالا ہر ایک ملک سے عظمت ہے ہند کی
حیرانیوں کا آئینہ شوکت ہے ہند کی
جوہر دلوں کا اپنے محبت ہے ہند کی
آنکھوں میں بھر رہا ہے وہ حُبِّ وطن کا نور
پیدا ہے جس سے مردمِ دیدہ میں اک سرور

زینت سخن کی جس طرح اہلِ سخن سے ہے
زیب انجمن کی شمعِ سرِ انجمن سے ہے
بلبل کو جیسے اُنس بہارِ چمن سے ہے
اہلِ وطن کو اس طرح اُلفت وطن سے ہے
صہبائے حُبِّ ملک سے ہر وقت مست ہیں
جو ہیں وطن پرست وہی حق پرست ہیں

قائم بغیر روح کے کوئی بدن نہیں
وہ جسم کیا ہے جس کا کوئی پیرہن نہیں
خالی گُلوں سے کوئی جہاں میں چمن نہیں
ہے کون جس میں جذبۂ حبِ وطن نہیں
دُور از وطن بھی یادِ وطن دم کے ساتھ ہے
ہو جائے دم قدم سے جُدا کوئی بات ہے

آدم نکل کے بھولے نہ خلدِ بریں کی یاد
گو خوش کہیں تھے دل میں مگر تھی وہیں کی یاد
بھولے سے خواب میں بھی نہ آئی کہیں کی یاد
جس سرزمیں کے تھے رہی اس سرزمیں کی یاد
لطف اسکے پوچھئے کسی غربت نصیب سے
دل جس کا مست رہتا ہے یادِ حبیب سے

بُلبل کو صحنِ باغ ہے گُل کو چمن پسند
ہے گوہر صدف کو صدف میں عدن پسند
لعلِ یمن کو کیوں نہ ہو کانِ یمن پسند
اہلِ وطن کو ہوتا ہے اپنا وطن پسند
ہندی جو ہیں وہ مرتے ہیں ہندوستان پر
کھیلے ہوئے ہیں اس کے لئے اپنی جان پر

رونق عیاں ہے شوخیٔ رنگِ ادائے ملک
دیتے ہیں جانِ ہند پہ جو ہیں فدائے ملک
آئینۂ ملک و قوم کا ہیں رہنمائے ملک
چمکا ہُوا ہے قوم میں رنگِ صفائے ملک
شاداب حشر تک یہ الٰہی چمن رہے
پیشِ نگاہ جلوۂ حُبِّ وطن رہے

(دسمبر ۱۹۲۳ء)

نوجوانانِ قوم سے خطاب

حالت ہے اب دگرگوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
ہو پائمال گردوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
ہر دل ہے آج محزوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
ظلم و ستم ہیں افزوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
کہتا ہے بخت واژوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
فقرہ ہے چست و موزوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
سودائے حُسن کس کا سر میں سما گیا ہے،
کیوں ہو رہے ہو مجنوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
اِس دَور میں جہاں کے خط جبیں کا ابھی
بدلا ہُوا ہے مضموں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
آجائے ہاتھ اپنے تسخیر دشمنوں کی،
سیکھو کچھ ایسا افسوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
کرنی اگر ہے خدمت کچھ مادرِ وطن کی،
ہو جاؤ اس پہ مفتوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
عقبیٰ کے سامنے ہے سب ہیچ مالِ دُنیا
کیا شے ہے گنجِ قاروں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
میدانِ حریت میں لازم ثبات بھی ہے۔
ہٹنا نہیں ہے موزوں، سنبھلو، خدارا سنبھلو
درسِ کتابِ اُلفت بھولے ہوئے ہو کیوں تم
از بر کرو یہ مضموں، سنبھلو، خدارا سنبھلو

یہ انقلابِ عالم ، ہمکو مٹا رہا ہے
دشمن ہے دَورِ گردوں سنبھلو ، خدارا سنبھلو
سُن لو یہ نظم رونقؔ اے قوم کے جوانو
عبرت فزا ہے مضموں ، سنبھلو ، خدارا سنبھلو

نوجوانوں سے خطاب

(یہ نظم گورو کل اندرپرستھ کے جلسہ میں پڑھی گئی، اور بہت مقبول ہُوئی)

کیوں پڑے ہو خوابِ غفلت میں جوانانِ وطن
آنکھیں کھولو ، لُٹ رہا ہے سازوسامانِ وطن
جیتے جی اور مٹتے دیکھو ، آہ یوں شانِ وطن
آن والو رکھ نہیں سکتے ہو کیا آنِ وطن
ہاتھ سے جانے نہ دینا عظمت و شوکت کبھی
جا کے پھر آتی نہیں ہے عزّت و حرمت کبھی

کِس لئے ہو اِس قدر حالِ زبوں سے بے خبر
رحم کھاؤ کچھ تو اپنی حالتِ برباد پر
سُوئے میدانِ ترقی تمکو بڑھنا ہے اگر
باندھ لو لِلّٰہ ! بہرِ ہمتِ مرداں کمر
جاں نثار و جاں لڑا دو دھرم کے پرچار پر
اپنی ہستی کو مٹا دو دھرم کے پرچار پر

چھوڑ دی گر بھُول کر تم نے رہِ حُسنِ عمل
آگیا گر کاہلی سے کچھ دماغوں میں خلل

جیتے جی بے موت کرے کی تمہیں لقمہ اجل
ہل سکے گا حشر تک اس کا نہ پھر نعم البدل
دین پہ ہونے کو قرباں جاں نثاری چاہیے
مذہب و ملت کی اپنے پاسداری چاہیے
غفلتوں کو چھوڑ دو، ہشیار ہو جاؤ ذرا
وقتِ بیداری ہے اب بیدار ہو جاؤ ذرا
حُبِّ قومی کے لئے تیار ہو جاؤ ذرا
ہمتوں سے صاحبِ ایثار ہو جاؤ ذرا
چاہتے ہو یہ اگر، آزاد ہو کر ہم رہیں
جو کہا ہے حضرتِ رونق نے وہ دل سے سُنیں،
یہ گورو کل وہ چمن ہے دھرم کے پرچار کا
گُل ہی گُل ہیں دخل مطلق بھی نہیں ہے خار کا
اس میں رہتا ہے ثمرور نخل ہر دیندار کا
نام ہے گلزارِ جنت اس کے لالہ زار کا
کہہ رہے ہیں یہ فضائیں اِسکی با بانگِ دُہل
لیتے ہیں آکر فرشتے تک یہاں درسِ عمل

(مارچ ۱۹۲۳ء)

آگے بڑھے چلو تم

لب پر یہ گفتگو ہے۔ آگے بڑھے چلو تم
یہ ذکر چار سُو ہے، آگے بڑھے چلو تم
منزل یہ روبرو ہے، آگے بڑھے چلو تم

گر کوئی جستجو ہے، آگے بڑھے چلو تم
غیرت تمہاری تم سے کہتی ہے ہر قدم پر
گر پاسِ آبرو ہے، آگے بڑھے چلو تم
پھر چاک ہو گیا ہے دستِ جنوں سے دامن
پھر حاجتِ رفو ہے، آگے بڑھے چلو تم
میدانِ راستی میں بیم و ہراس کیسا
کیوں دہشتِ عدو ہے، آگے بڑھے چلو تم
گُم کردہ راہ ہو کر کھوئے گئے ہو خود ہی
گر اپنی جستجو ہے، آگے بڑھے چلو تم
گر دیکھنی ہے شکلِ قومی مفاد تم کو
آئینہ رو برو ہے، آگے بڑھے چلو تم
مستِ مئے محبّت ہونا اگر ہے تم کو
یہ جام یہ سبُو ہے، آگے بڑھے چلو تم
دیکھیں گے پھر فضائے گلہائے باغِ قومی
پھر وقتِ رنگ و بو ہے آگے بڑھے چلو تم
بیداریوں سے پردہ غفلت کا اُٹھ گیا ہے
ہُشیاری سو بسو ہے۔ آگے بڑھے چلو تم
وقت آ گیا ہے اُٹھو، بہرِ نمازِ اُلفت
شورِ وضو وضو ہے، آگے بڑھے چلو تم
پھنس کر غلامیوں میں ہمت کبھی نہ ہارو
گو طوق در گلو ہے، آگے بڑھے چلو تم
حیرت نما ہو منظر قومی ترقیوں کا
گر اس کی آرزو ہے، آگے بڑھے چلو تم

راہِ طلب میں سب سے پیچھے پڑے ہُوئے ہو
یہ جادۂ نکو ہے، آگے بڑھے چلو تم
زندہ سلف کا کر دو، پھر نام ہمتوں سے
رونق کی گفتگو ہے، آگے بڑھے چلو تم

ترانۂ اِتحاد

اگر ہے باغِ عالم میں گلِ صد کامراں ہونا
فضائے مذہب وملت بہار بوستاں ہونا
جو اِس دورِ جہاں میں غافلو ہے شادماں ہونا
نفاقِ باہمی سے چاہیئے دامن کشاں ہونا
مِٹا دینگے یہ دم میں فرقہ وارانہ نیابت کو
مبارک حامیانِ قوم کا ہے درمیاں ہونا
سرورِ بے خودی کیا ہے یہ اک درسِ محبت ہے
نشاطِ جاوداں ہے کیف مستی کا عیاں ہونا
مزے لیتے ہیں گر سوز و گدازِ شمعِ اُلفت کے
تو لازم ہے تمہیں پروانۂ آتش بجاں ہونا
خلافِ شانِ خودداری ہے ربط وضبط غیروں سے
قیامت ڈھائیگا تم پر کسی کا راز داں ہونا
ملانا خاک میں ہے حسنِ آزادی کے جلوؤں کو،
تمہارا محوِ غفلت ہو کے پردے میں نہاں ہونا
اگر وابستۂ زنجیرِ اُلفت تمکو ہونا ہے،

گرہ گیرِ اسیرِ حلقۂ ہندوستاں ہونا
نہ رہ جانا کہیں منزل میں تم گردِ سفر بن کر
قیامت ہے رہِ پُرشوق میں بے کارواں ہونا
یہ رازِ حُبِّ قومی ہے نیاز و نازِ محبُوبی،
سکھا دے گی ادائے دلبری جانِ جہاں ہونا
نہ ہو کیوں بندشِ ناحق پہ عادی ضربِ خودداری
بتاتا ہے ہمیں خود کو ہمارا پاسباں ہونا
رہا بدقسمتی سے گر یہ دَورِ گشت و خُوں جاری
تو ممکن قوم کا ہے جلد بے نام و نشاں ہونا
ترانے حُب کے زنجیر کشاکش توڑ ڈالیں گے.
جو سازِ بے صدا کو آگیا رونق زباں ہونا

چراغِ اتفاق

کیا ہُوا؟ اُف! ہوگیا کیوں گُل چراغِ اتفاق
رُوکشِ مہتاب تھا ہر دل میں داغِ اتفاق
وہ فضائے ہندو و مسلم، الٰہی کیا ہُوئی
آج کیوں بدلا ہُوا ہے رنگِ باغِ اتفاق
کیا ہُوا یارب نشانِ منزلِ حُبِّ وطن،
دُور تک ملتا نہیں ڈھونڈا سراغِ اتفاق
اختلافِ باہمی سے ہو گئے برہم مزاج،
آجکل بگڑا ہُوا ہے کچھ دماغِ اتفاق

نشّۂ صہبائے اُلفت ہوگیا کافور آج
پلٹیاں لینے لگے مستِ ایاغِ اتفاق
ہنس رہا ہے تیرہ بختی پر ہماری اِک جہاں
دیکھکر گلُ ہند میں روشن چراغِ اتفاق
اب چمن زارِ محبّت میں وہ گل بُوٹے کہاں
صُورتِ صحرا نظر آتا ہے باغِ اتفاق
منزلِ مقصد پہ دیکھیں رہروانِ مُلک کو
ہاتھ آئے یا الٰہی پھر سراغِ اتفاق
ہو چکی اب تفرقہ پردازئ گردوں بہت
انقلاباتِ زمانہ تھے دماغِ اتفاق
پھر بہار تازہ آئے، پھر گلُ اُلفت کِھلیں،
پھر پھلا پھولا نظر آئے یہ باغ اتفاق
پھر جمے رنگِ خمارِ بادۂ حُبِّ وطن
بیخودِ جلوہ رہیں مستِ ایاغِ اتفاق
لُوٹتے ہیں مستئ صہبائے اُلفت کے مزے
جو چھلکنے کو ہے اے رونق ایاغِ اتفاق

قوم کی ہے قوم کے ہاتھوں دشا بگڑی ہوئی

چل رہی ہے حشر برپا کُن ہوا بگڑی ہوئی
دیکھئے کیا گُل کھلائے یہ ہوا بگڑی ہوئی
کیوں نہ ہو شکلِ بہارِ جانفزا بگڑی ہوئی

گلشنِ ہندوستاں کی ہے ہوا بگڑی ہوئی
ہو رہی ہیں اب جو شکلیں رونما بگڑی ہوئی
صورتیں ایسی نہ دیکھیں اے خدا بگڑی ہوئی
آ رہا ہے ہر طرف اک رنگ بربادی نظر
آجکل ہے سارے عالم کی فضا بگڑی ہوئی
مِل نہیں سکتی کبھی دادِ فغانِ بے نوا،
لب تک آتی ہے مگر آہِ رسا بگڑی ہوئی
کِس کے آگے بیٹھ کر روئیں خطِ تقدیر کو
ہے نوشتِ بختِ واژوں کی ادا بگڑی ہوئی
کِس قدر برہم مزاجِ موسمِ گل ہو گیا،
ہے چمن میں جنبشِ موجِ صبا بگڑی ہوئی
رنگ لائیں شوخیاں کیا غمزۂ چالاک کی
ہے ادائے شاہدِ گلگوں قبا بگڑی ہوئی
دیکھئے کیا حشر ڈھائے ان کا اندازِ ستم
شوخیوں سے کہہ رہی ہے کچھ ادا بگڑی ہوئی
کر دیا آغاز میں انجامِ اُلفت نے خراب
ابتدائے عشق کی تھی انتہا بگڑی ہوئی
ہر طرف ہے آجکل بادِ مخالف کا عمل،
غنچہ و گل کی چمن میں ہے فضا بگڑی ہوئی
تھا جو لُطفِ نغمہ سنجی مِل گیا سب خاک میں
خوشنوایانِ چمن کی ہے صدا بگڑی ہوئی
روزِ روشن بن گیا تقدیر سے ظلمت کدہ
چھا رہی ہے چرخ پر کالی گھٹا بگڑی ہوئی

دل نے مانگی تھیں مُرادیں دیکھئے کیا حشر ہو
چرخ سے پلٹی ہے تاثیرِ دُعا بگڑی ہوئی۔
دُور ہوا اب قوم سے کِس طرح رنگِ برہمی!
قوم کی ہے قوم کے ہاتھوں دشا بِگڑی ہوئی۔
خاتمہ ہو جائے اس دورِ کشاکش کا کہیں،
قوم کی حالت بنا دے اے خُدا بِگڑی ہوئی۔
اب وہ حسن تازگی ہے، اور نہ وہ رنگِ بہار
چھو گئی ہے غنچۂ دل کو صبا بگڑی ہوئی۔
پھونک دے گی ایک دن برقِ شرر افشاں صفت
آتش افروزِ زمانہ ہے فضا بگڑی ہوئی۔
درہم و برہم نظر آتا ہے سامانِ جہاں،
پھر ہوئی صورت کوئی جلوہ نما بگڑی ہوئی
حرف ہے آیا ہُوا قدرِ مروت پر یہاں،
آجکل ہے صورتِ مہر و وفا بگڑی ہوئی
راس کیا آئے مریضِ غم کو داروئے شفا
ہے اطبّاؤں کی تدبیرِ شفا بگڑی ہوئی
ہو سکے کیونکر مداوا اے دلِ درد آشنا
خوبیٔ تقدیر سے ہے ہر دوا بگڑی ہوئی
ہاتھ آئیں کس طرح رونق مضامین بلند
ان دنوں رہتی ہے کچھ طبعِ رسا بگڑی ہوئی

غلامی سے نجات

غلامِ جن کے ہیں اُن کو غلام کریں گے

کسی کی یاد جہاں میں مدام کریں گے
خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے

جو رنگ لائیگی اپنا جہاں میں آزادی
غلام جن کے ہیں اُنکو غلام کریں گے

ہمیں کو قتل کرینگے۔ ہمیں سے برہم ہیں
ہمیں یہ آج وہ تزکی تمام کریں گے

ہم اپنی آپ مدد کا اُٹھائیں گے بیڑا
فلاح قوم کا خود انتظام کریں گے

خفا کسی کو کریں کیوں سلام کی خاطر
بھلائی جس میں ملیگی وہ کام کریں گے

جفائے چرخ سے فرصت ملی تو اے رونق
جہاں میں اور بھی چندے قیام کریں گے

پھُوٹ

مرتے نمود پر ہیں جو خواہش ہو نام کی
کرتے ہیں ہم وہ بات جو ہوتی ہے کام کی

سفاک نکلی ایک ہی تو اپنے نام کی
اے پھُوٹ تو نے ہند کی تزکی تمام کی

باہم کی کشمکش سے نشہ ہو گیا ہرن
وہ مستیاں کہاں مئے اُلفت کے جام کی

ہے جلوۂ اُمید میں مایوسیوں کا رنگ
پیدا ہے نورِ صبح سے تصویرِ شام کی

راہِ طلب میں بیٹھے ہیں پہرے نفاق کے
چاروں طرف سے بند ہیں راہیں قیام کی

مُنہ زوریوں پہ منہ کی کھلائیں عدو کو ہم
کھلنے نہ دیں زبان کسی بدلگام کی

جو آرہا ہے رنگ دوعملی یہاں نظر
تصویر ہے یہ اپنے خیالاتِ خام کی

دھبّہ نہ آئے دامنِ شہرت پہ حشر تک
بھگون کے ہاتھ لاج ہے بھارت کے نام کی

رونق فلاح قوم کی ہاتھ آگئیں کلیں
ہندوستان میں دھوم ہے چرخہ کے کام کی

اِصلاحِ قوم

اے قوم تیری عزت و حرمت کو کیا ہُوا
پہلی سی آج عظمت و حشمت کو کیا ہُوا
اس شان کو شکوہ کو شوکت کو کیا ہُوا
علم و ہنر کو فضل و فضیلت کو کیا ہُوا
دولت ہے اب نہ ثروت و جاہ و جلال ہے
وہ اختر بلند نہ اوجِ کمال ہے

ملکِ سخن پہ قبضہ تھا، عالی مقام تھے
علم و عمل کے ہاتھ میں سارے نظام تھے
ہم ذی ہُنر تھے، زیرِ اثر خاص عام تھے
جن کے ہیں ہم غلام، وہ اپنے غلام تھے
جو بھی تھا تربیت میں وہ گردوں مآب تھا
ہر ذرّہ اپنی قوم کا ایک آفتاب تھا

تہذیب میں، ادب میں لیاقت میں فرد تھے
اخلاق و خلق و حلم و مروت میں فرد تھے
فہم و ذکا و عقل و فراست میں فرد تھے
یکتا فضیلتوں میں بلاغت میں فرد تھے
بحرِ علوم و فن میں یہاں تک عبور تھا
دل آشنائے معنیٔ طبعِ غیور تھا

ہم آسمانِ بُرجِ شرافت جہاں میں تھے
ہم آفتاب روحِ کرامت جہاں میں تھے
ہم جلوہ ریزِ نورِ بلاغت جہاں میں تھے
شہبازِ حُسن و رنگِ فضیلت جہاں میں تھے
دل میں نہاں تجلّیٔ برقِ کمال تھی
پردہ میں علم و فن کے ضیائے جمال تھی

صد نازشِ زمانہ تھے عالی وقار تھے
سرچشمۂ علوم تھے ذی اقتدار تھے

گل کی شگفتگی تھے، چمن کی بہار تھے باغ جہاں میں رحمت پروردگار تھے
چھائی ہوئی فلک پہ تھیں اقبال مندیاں
دھرتی نہ تھیں زمیں پہ قدم سربلندیاں
اب رنگ لائیں یہ مئے غفلت کی مستیاں ہمکو جھکا رہی ہیں کتوئیں آج پستیاں
وہ اٹھ گئیں زمانہ سے افسوس ہستیاں آباد جن سے علم و ہنر کی تھیں بستیاں
ہم ہیں، کہ ہیں شکارِ جہالت بنے ہوئے
بیٹھے ہیں اب نمونہ ذلت بنے ہوئے
وہ ہندسہ نہ ہیئت و حکمت نہ معرفت وہ منطق و نجوم و ریاضی نہ ماہیت
سائنس دانیاں نہ لیاقت نہ تربیت وہ جوہرِ فنون قدیمی، نہ علمیت
سرمایہٴ علوم کو ہاتھوں سے کھو دیا۔
زیبائش و نمود نے ہمکو ڈبو دیا۔
تھے معدنِ جواہر و صد کان علم و فن آراستہ ہمیں سے تھا ایوان علم و فن
حسن عمل ہے آج نہ وہ شان علم و فن بدنظمیوں سے لٹ گیا سامان علم و فن
معجز نمائیاں ہیں نہ وہ سحر سازیاں
ہیں خاک میں ملی ہوئی جادو طرازیاں
مشرق میں ہم کو لائے ہیں مغرب کے روز خواب ڈوبا ہوا ہے قوم کی قسمت کا آفتاب
اب گرد ہو گیا ہے وہ سب رنگِ انتخاب جس روئے حیرتی کا جہاں میں نہ تھا جواب
آئینہٴ مراد سے دل بدحواس ہے۔
جو صبح آرزو تھی وہ اب شامِ یاس ہے
لائی ہوئی ہیں رنگ یہ ظاہر پرستیاں چمکی ہوئی ہیں چرخ پہ تیرہ نصیبیاں
خانہ خراب کر گئیں رنگیں مزاجیاں پردہ میں مفلسی کے ہے شانِ نہاں عیاں
اب گنجِ مال و زر کے فقط اک نشان ہیں
جس میں کوئی مکیں نہیں ہم وہ مکان ہیں

بھولے ہوئے ہیں مذہبی رسم و رواج کو کھوئے ہوئے ہیں عزت و حرمت کی لاج کو
بگڑے ہیں خود۔ بگاڑ کے اپنے مزاج کو حالِ سقیم بن گئیں نبضیں علاج کو
اب مستی خودی ہے اور ایماں فروشیاں
بیخود کئے ہوئے ہیں ہمیں بادہ نوشیاں

مطلب ہے دھرم دکرم نہ وید و پران سے کچھ ایشور سے کام نہ اسکے دھیان سے
احساس مذہبی، نہ غرض ہے گیان سے گمراہیوں نے ایسا گرایا ہے شان سے
حدِ یقیں تھے۔ بن گئے وہم و گمان ہم
اب قوم میں کہاں ہیں وہ قومی نشان ہم

وہ گُل ہیں جو بہار میں ہوں دور از چمن وہ شمع ہیں، جو ہو نہ کبھی زیبِ انجمن
آوارہ بخت ایسے کہ جن کا نہیں وطن چکرا رہی ہے گردشِ دُنیائے پُرمحن
ہر ہر قدم پہ کھاتے ہیں منزل کی ٹھوکریں
پامال کر رہی ہیں ہمیں دل کی ٹھوکریں

ہر دم فضول خرچیاں رہتی ہیں ہمرکاب جا جا کے ہوٹلوں میں اُڑاتے ہیں ہم شراب
ہے وہ تباہ کُن اثرِ صحبتِ خراب غافل بنا کے جس نے بھُلائی رہِ ثواب
کج فہمیوں سے دیتے ہیں فعلِ عبث پہ جان
پابندیٔ عمل کو سمجھتے ہیں کسرِ شان

صد حسنِ وضعداری ہے اب مغربی چلن اُترا ہُوا لباس ہے زیبائشِ کہن
دل میں خیالِ مذہب و ملت نہ سنگھٹن قومی حمیتیں ہیں نہ جذباتِ علم و فن
تعلیم مغربی سے وہ گم کردہ راہ ہیں
برگشتگیٔ بخت ہیں حالِ تباہ ہیں

بیواؤں کی مدد نہ یتیموں کا کچھ خیال جن کو مصیبتوں سے ہے جینا یہاں وبال
ہے چشمِ لطف اُن پہ نہ کچھ پرسشِ سوال ہیں تنگنائے دہر میں تنگی سے پائمال
کی بھول کر نگاہ جو حالِ سقیم پر

دُرّے لگائے قہر کے جسمِ یتیم پر

غیروں سے رسم و راہ یگانوں سے بیخبر
وارفتۂ خرد ہیں تغافل سے اس قدر
مطلق فلاحِ قوم پہ رکھتے نہیں نظر
تقلیدِ کفوِ غیر میں کھوتے ہیں مال و زر
دلچسپیاں ہیں عیش سے رنگِ نشاط سے
فیشن میں بڑھ کے چلتے ہیں اپنی بساط سے

طرزِ تمدن اب نہ وہ حُسنِ معاشرت
وہ خوئے اتحاد، نہ اُلفت، نہ اُنسیت
پہلا سا انتظام نہ اگلا سا بندوبست
ناچاقی باہم نے کیا ہے کچھ ایسا پست
وہ غمگساریاں ہیں، نہ وہ دردمندیاں
بکھری ہوئی ہیں قوم کی شیرازہ بندیاں

پیدا ہے شیخیوں کا یہ ہر بات میں اثر
گر دردِ سر بھی ہو، تو بلاتے ہیں ڈاکٹر
پیچھے پڑا ہُوا ہے وہ آزارِ صرفِ زر
معجز نمائیوں سے ہیں ویدک کی بیخبر
جادو اثر ہیں بہرِ مرض چارہ سازیاں
مُردہ کو زندہ کرتی ہیں دیسی دوائیاں

پابندیوں سے موردِ آلام ہو گئے
بن کر غلام بندۂ بے دام ہو گئے
ناکامیٔ نصیب سے ناکام ہو گئے
خاصانِ خاص پہلے تھے اب عام ہو گئے
جو کل تھی، حیف! آج وہ خو بُو نہیں رہی
تُلتے تھے جس میں ہم وہ ترازو نہیں رہی

اشیائے مُلکِ غیر پہ ہیں محو اس قدر
جنسِ وطن کا ہوش، نہ اپنی ہے کچھ خبر
ہیں وہ جہاں میں بیخودِ ناکامیٔ اثر
غیروں کے گھر کو بھرتے ہیں اپنا لُٹا کے گھر
سامانِ عیش بے سر و سامانیاں ہوئیں
حسنِ عمل کے پردے میں بربادیاں ہوئیں

اب تا بکے رہیں گی یہ غفلت شعاریاں
بیدار کر رہی ہیں ہمیں ہوشیاریاں
ترکِ نمودِ وضع رہیں وضعداریاں
راحت فزائے دہر ہوں پھر کامگاریاں

جلوہ فروزِ قوم رُخِ انبساط ہو
صدقے بساطِ عیش پہ حُسنِ نشاط ہو
شاداب پھر جہاں میں چمن زارِ قوم ہو ہر فردِ قوم کا، گُلِ گلزارِ قوم ہو
پیدا ہر ایک دل میں وہ ایثارِ قوم ہو جو قوم میں ہو اپنی، مددگارِ قوم ہو
پھر رنگ لائیں قوم میں قومی ترقیاں
کِھل جائیں پھول اپنی مرادوں کے پھریاں
چمکے ستارہ بخت کا پھر آسمان پر چھا جائیں پھر شعاعیں ہُنر کی جہان پر
ہوں خوبیٔ علوم کے جوہر زبان پر صدقے ہزار شانیں ہوں اس ایک شان پر
معراجِ کامیابی ہمارا کمال ہو
رونق اثر پذیر وہ رنگِ خیال ہو

زِندگی اپنی

یہاں تک بڑھ گئی ہے وسعتِ آوارگی اپنی
نظر آتی نہیں کوسوں بھی شکل زندگی اپنی،
محبانِ وطن نے گر نہ کی کچھ رہبری اپنی
بنے گی قوم خود سر ہو کے فوج بے سری اپنی،
اگر منظور ہے کچھ عظمت و نام آوری اپنی
بڑھاؤ سنگھٹن اپنا دکھاؤ اَنتی[1] اپنی،
بنادی مغربی فیشن نے حالت اور ہی اپنی
نہ وہ طرزِ تمدّن ہے نہ وہ شائستگی اپنی،
طریقِ کارِ مذہب میں نظر آئے گی آزادی

[1] بہبودی

جو میدانِ عمل میں کام ہمّت کر گئی اپنی

نکلنا ہے اگر اس ورطۂ ظلماتِ آفت سے
جلا دو مشعلِ ملّت، ہٹا دو تیرگی اپنی

جو فکرِ آخرت ہے کچھ جو نیک اعمال بنتا ہے
خرافاتِ جہاں سے چھوڑ دو تم دل لگی اپنی

رہے گر موجزن دل میں یونہی جذباتِ خودداری
ہمیں آزاد کر دے گی کسی دن بے بسی اپنی

بنا دو اتحادِ باہمی سے صاف آئینہ
مٹا دو سرزمینِ قوم سے سب برہمی اپنی

گلو گیرِ محبّت ہیں شعار اپنا غلامی ہے
ہماری جان کو روتی ہے ہردم بیکسی اپنی

نہ آئے گی نظر ہردم فلاحِ قوم کی صُورت
رہے گی گر یونہی آپس میں جنگ زرگری اپنی

رہِ دشوارِ مقصد میں وہ ہم گم کردہ منزل ہیں،
جہاں میں ڈھونڈتی پھرتی ہے ہمکو زندگی اپنی

بہت پُر درد ہے برگشتگیٔ قوم کا قصّہ
ہلا دے گی دلوں کو داستان برہمی اپنی

بدل جانے کو ہے رنگ فضائے گلشنِ قومی
ہرا کر دے گی نخلِ آرزو کو تازگی اپنی

کسی دن تو بر آئیں گی اُمیدیں اپنی اے رونق
کبھی تو ہو گی مقبول الٰہی بندگی اپنی

مظالم سرحد

غضب کے سوزشِ غم نے لگائے دل پہ بھالے ہیں
جگر میں سینکڑوں سوراخ لاکھوں لب پہ چھالے ہیں
گرفتار مصیبت آجکل یہ قوم والے ہیں،
اِنہیں تیر و تفنگ و برچھیاں ساون کے جھالے ہیں
نہ یارائے تکلم ہے، نہ تابِ آہ و نالہ ہے
لگائے ضبط فریاد و فغاں نے لب پہ تالے ہیں
نہیں ممکن کسی سے چارہ سازئ دلِ محزوں،
ہُوئے ہیں نا اُمید زیست قسمت کے حوالے ہیں
نہ پوچھو ہم سے کیا حالت ہے ہم آفت کے ماروں کی
جگر میں ٹھیس، دل میں درد، لب پر آہ و نالے ہیں
گرائے گی دلِ اعدا پہ بجلی آہِ دل ان کی،
غریب و بے کس و بے بس جو سرحد سے نکالے ہیں
اِدھر خُوئے تنفر ہے اُدھر فرقہ نوازی ہے۔
شریکِ درد و غم اپنے نہ گورے ہیں نہ کالے ہیں
ستم رانئ دشمن مُنہ سے کچھ کہنے نہیں دیتی
اگر کھولیں زباں اپنی تو زنداں کے حوالے ہیں
سنبھالے قوم گر اپنی تو ہم شاید سنبھل جائیں
مریضِ غم ہیں گو لیکن ابھی لینے سنبھالے ہیں
لبوں پر جان فرطِ ضعف خود داری سے آئی ہے
نحیف و ناتواں ہیں اس قدر جینے کے لالے ہیں

جو ہیں شورش پسندانِ جہاں رکھتے ہیں مُنہ چکنا،
اِنہیں کو آجکل ملتے یہاں پر تر نوالے ہیں
ہُوئے ہیں ایک سے دو آج مل کر غیر غیروں سے،
جو فردیں[1] تھیں کبھی پہلے یہاں اب وہ دوشالے ہیں
کِھلائے گی ابھی کچھ اور گُل یہ فتنہ پردازی،
ابھی کچھ اور محشر خیز طوفاں آنے والے ہیں
نہیں کچھ دل لگی اُلفت تحمل شرط ہے اے دل،
ابھی سے ابتدائے عشق میں یہ آہ و نالے ہیں
نرالے رنگ کی ہے سخن آرائی اے رونق
نئی ترکیب و بندش کے نئے مضموں نکالے ہیں

سودیشی

شکر صد شکر، کہ پھر ہند کی حالت بدلی
تھی جو بگڑی ہُوئی پھر آج وہ صورت بدلی
پھر بلند آج نصیبہ ہُوا، قسمت بدلی
پھر چلن بدلا ہے، خو بدلی ہے عادت بدلی

ہند پھر آج ترقی پہ نظر آئے گا
کھول دو مُٹھیاں پھر ہاتھوں میں زر آئیگا

اب سنبھل بیٹھو، خبردار رہو، جاگو جاگو
لو اُٹھو، خواب سے بیدار ہو جاگو جاگو
غفلتیں چھوڑ دو ہشیار رہو، جاگو جاگو
کوششوں کے لئے تیار رہو جاگو جاگو

کہہ رہی ہے یہ بصد جوش سودیشی ترغیب
آگیا آگیا اب وقت ترقی کا قریب

ہاتھ سے کوشش و ہمت کو نہ جانے دینا
دوڑنا دوڑنا، جلدی ذرا، لینا لینا

[1] دو فردیں مِل کر ایک دوشالہ بنتا ہے۔

گھر میں بیٹھے ہُوئے دزرات نہ انڈے سینا ناخدا بن کے سفینے کو وطن کے کھینا
پار ہو جائے جو گرداب بلا سے کشتی
ڈگمگا کر کبھی ڈوبے نہ ہوا سے کشتی

جاں نثار و کرو جاں حبِّ وطن پر صدقے بڑھ کے میدان ترقی کے اُٹھاؤ بیڑے
زورِ ہمّت کے رہے گر یونہی گھر گھر چرچے کامیابی کے زمانے میں بجیں گے ڈنکے
سدِّ راہ پھر کوئی دقت نہ مصیبت ہو گی
ہند کے ہاتھ میں ہر ملک کی دولت ہو گی

آ گیا صنعت و حرفت کا اگر کچھ بھی خیال برکتیں اسکی بنا دیں گی ہمیں مالا مال
دم میں مٹ جائینگے افلاس کے سب رنج و ملال ہمسا ہو گا نہ کوئی صاحب جاہ و اقبال
اَوج پر اسکی بدولت جو مقدر ہو گا
وقت کا اپنے ہر اک شخص سکندر ہو گا

گر یہ خواہش ہے ترقی میں فلک منظر ہوں گر یہ حسرت ہے کہ خورشید کے ہم ہمسر ہوں
گر یہ کوشش ہے کہ ہم رتبہ میں بالاتر ہوں گر یہ ہمت ہے، کہ ہم صاحبِ مال و زر ہوں
ہند کو حسن تجارت سے منور کر دو۔
روشنی اسکی خدا کے لئے گھر گھر کر دو۔

یہ وہ آئینہ حیرت ہے بنا دے ششدر صاف ہیں حُسن ترقی کے نمایاں جوہر
رنگِ تصویر ہے رنگ زر و لعل و گوہر رشک کھاتے ہیں اُسے دیکھ کے خورشید و قمر
نور سے اسکے برستی ہے جہاں میں دولت
دم میں کھو دیتا ہے افلاس کی ساری ظلمت

فن کوئی فن تجارت سے نہیں ہے بڑھکر کام کوئی نہیں اس کام سے ہرگز بہتر
یہ وہ خورشید ہے جس کا ہے فلک پر منظر یہ ہے وہ نور کہ ہے روشنی جسکی گھر گھر
نظر آتی ہے زر و مال کی صورت اِس میں
گنجِ قاروں کی بھری رہتی ہے دولت اِس میں

پاسِ حبِ وطنی کچھ بھی اگر ہے صاحب کچھ بھی گر اپنی ترقی پہ نظر ہے صاحب
دل میں ہمدردی کا گر کچھ بھی اثر ہے صاحب لُوٹ سے بچنے کا گر کچھ بھی خطر ہے صاحب
غیر ملکوں کی کوئی چیز نہ لینا ہر گز
پھوٹی کوڑی کبھی قیمت میں نہ دینا ہر گز

ہند میں جب سے ہُوا مغربی چیزوں کا رواج ہند والے ہُوئے فیشن کی بدولت محتاج
کھو کے گنجِ زر و گوہر کو لگا بیٹھے لاج خاک اُڑتی ہے یہاں جوہری بازار میں آج
لُوٹ کر لے گئے سب غیر ولایت والے
ہاتھ دولت کے لئے ملتے ہیں دولت والے

حسنِ پوشش پہ ہُوا لوٹ[1] جو بچپن اپنا زیبِ تن ہونے سے تنزیب[2] کھنچا تن اپنا
مل کے سیلا کیا ململ کے لئے من اپنا کپڑے والوں کے حوالے ہُوا سب دھن اپنا
بن گیا آج ہر اک مفلس و قلاش ایسا
زہر کھانے کو نہیں گانٹھ گرہ میں پیسہ

دُکھ سہے درد سہے سینکڑوں صدمے جھیلے جنسِ یورپ کے لئے سینکڑوں پاپڑ بیلے
ہر قدم بڑھ کے دیئے فوجِ اَلم نے ریلے اُف نہ کی منہ سے رہے مست گُرو کے چیلے
مستیاں بادۂ غفلت کی رہیں عیش اثر
ایک دم بھی نہ ہُوئی رنج سے راحت پہ نظر

ایسے خود رفتہ تھے خود آپ میں آیا نہ گیا دلِ بیہوش کو بھی ہوش میں لایا نہ گیا
اپنی سوئی ہُوئی قسمت کو جگایا نہ گیا پاؤں میدانِ ترقی میں بڑھایا نہ گیا
آنکھ ڈالی نہ گئی ہند کی بربادی پر
رونا آیا نہ کبھی بھُول کے آزادی پر

اب نہ وہ دبدبۂ حسن نہ شان و شوکت اب نہ وہ رنگ نہ وہ رعب نہ ویسی صورت
اب نہ وہ دولت و ثروت نہ وہ جاہ و حشمت اب نہ وہ جوش نہ وہ زور نہ تاب و طاقت
اَوج سے بخت نے کچھ ایسی دکھائی پستی

[1] لوٹ ہونا۔ شیدا ہونا، فریفتہ ہونا [2] ململ کی قسم کے باریک دیسی کپڑے کا نام

نظر آنے لگی اب خاک ہماری ہستی

صید ادبار و مصیبت ہیں لبوں پر ہے فغاں — آج ہنستا ہے جہاں دیکھ کے ہمکو گریاں
ہر نفس غم نے چلا رکھی ہیں دل پر چھریاں — خون ہو ہو کے بہے جاتے ہیں لاکھوں ارماں
کس سے برگشتگیٔ وقت کا شکوہ کیجیے،
نہیں سنتا کوئی افسوس اسے کیا کیجیے

پیٹ کو ملتی ہے روٹی نہ بدن کو کپڑا — جو تھا منعم کبھی اب وہ بھی ہے بھوکا ننگا
خالی اندر سے شکم چہرہ ہے چکنا چپڑا — اُف رے پھر بھی نہ گیا شوق نمایش اصلا
کچھ بھی ہو پھاگ لنگوٹی میں مگر کھیلتے ہیں
اب بھی تو املی کے پتے پہ یہ ڈنڑ پیلتے ہیں

غمِ افلاس سے بیمار رہا کرتے ہیں — جو کچھ آپڑتی ہے تکلیف، سہا کرتے ہیں
کچھ دوا راس ہے انکو نہ دعا کرتے ہیں — عمر کے آسرے پر صرف جیا کرتے ہیں
بارِ افلاس و فلاکت نے دبا رکھا ہے
خاک میں ہند کے رتبے کو ملا رکھا ہے

ہوگیا ہند کچھ اب ایسا مریض ولاچار — جیسے لاحق ہو کسی کو تپِ دق کا آزار
نبضیں چھوٹی ہوئی ہیں ہونٹوں پہ ہے جانِ نزار — کوششیں اب ہیں اطبائے وطن کی درکار
داروئے حُبِّ وطن اس کو اگر مِل جائے
صورت اصلی پہ پھر اس کو خدا لے آئے

خاک اس ہند کی اکسیر کبھی تھی پہلے — اس کے ہر ذرے میں تاثیر کبھی تھی پہلے
یہ زمیں سونے کی جاگیر کبھی تھی پہلے — اَوج پر اسکی بھی تقدیر کبھی تھی پہلے
خوں زمانہ کو رُلاتا ہے زمانہ اس کا
ہائے کس خاک میں پنہاں ہے خزانہ اسکا

یہ زمیں وہ تھی، کہ تھا جس کا فلک پر پایہ — یہ زمیں وہ تھی نہ تھا جس کا کوئی ہم رتبہ
یہ زمیں وہ تھی، کہ خوش جسکی تھی شاہوں کو ہوا — یہ زمیں وہ تھی، کہ لوٹ اس پہ تھی جنت کی فضا

ؔ قربان، فریفتہ

یہ زمیں وہ تھی فرشتہ تھا یہاں ہر انساں
یہ زمیں وہ تھی، کہ تھا اس پہ زمانہ قربان

یہ زمیں تھی کبھی صد رشکِ گلستانِ جناں — گلشن ہند کا ثانی کوئی گلشن تھا کہاں
اس کے اس حسن میں تھیں خوبیاں لاکھوں پنہاں — اسکی ہر خوبی میں تھا جلوۂ شانِ یزداں

مٹھیاں زریں تھیں ہر غنچہ مکانِ زر تھا
یہ چمن تھا، کہ الٰہی کوئی کانِ زر تھا

ہند پر ہند کے صدقے تھے تجارت والے — دل سے قربان تھے حرفہ کی مہارت والے
ہند کعبہ تھا، وہ تھے اسکی زیارت والے — سر جھکائے تھے یہاں چشمِ حقارت والے

چشمِ عالم میں تھی توقیر یہاں کی پہلے
قابلِ سجدہ تھی تصویر یہاں کی پہلے

اب وہ صنعت ہے نہ حرفت ہے نہ پیشہ کا چلن — اب وہ کسب و ہنر ہے نہ کسی میں وہ فن
اب وہ دورِ محبت ہے نہ وہ حُبِّ وطن — اب وہ لوگ نہ وہ بات نہ وہ طرزِ سخن

بن گئی جاں پہ۔ مگر جان ابھی باقی ہے
مٹ گئی شان تو کیا، آن ابھی باقی ہے

گلشنِ ہند کی پامال زمیں ہے تو کیا — دشمنِ رنگ فضا چرخ بریں ہے تو کیا
اب بہارِ گل و غنچہ جو نہیں ہے تو کیا — عندلیب دلِ خستہ جو حزیں ہے تو کیا

آبِ ہمت سے اگر سینچیں کے اسکو مالی
سبز ہو جائے گی ہر نخل کی ڈالی ڈالی

ہو چکیں غفلتیں بس ہوش میں آؤ جلدی — کام بگڑے ہوئے للہ بناؤ جلدی
تیرگی اپنے نصیبوں کی مٹاؤ جلدی — شمع محفل میں ترقی کی جلاؤ جلدی

جلوہ افروز ہی یہاں حرفہ کے فن کی ہو جائے
خوبی حسن عیاں سب یہ وطن کی ہو جائے

حاصل ایسا کرو کچھ فن تجارت میں کمال — طرزِ نو کی رہے ایجاد کا ہر وقت خیال

پھیر دہ چیز ہو رکھتی نہ جو اپنی مثال دیسی چیزوں کا زمانہ میں بڑھے استعمال
آج اشیائے ولایت کو بھلا دو دل سے
وضعداری کے خیالات مٹادو دل سے

ہو گئی اہلِ وطن کو جو وطن سے اُلفت بختِ خوابیدہ چمک جائیگا خورشید صفت
سر پہ سایہ کی طرح چھائیگا ابرِ رحمت گھر میں ہر شخص کے برسیگی چھناچھن دولت
ملک کے ہاتھ میں ہو ملک کی امداد کبھی
حشر تک بھی نہ ہو پھر ملک یہ برباد کبھی

متفق آج ہر اک قوم کو ہونا ہو گا دل سے رنج و حسد و کینہ کو کھونا ہو گا
تخمِ اکسیرِ محبت یہاں بونا ہو گا ہاتھ مٹی میں جو ڈالیں گے تو سونا ہو گا
بات اپنی کوئی ہو گی نہ اثر سے خالی
کام بن جائیں گے سب ایک نظر سے خالی

گر یہ دعویٰ ہو کہ ہم ملک کے ہیں جاں نثار گر کمر بستہ پئے حُبِّ وطن ہو تیار
کر دکھاؤ اسے جو مُنہ سے کیا ہے اقرار دل سے ہو جاؤ مددگارِ سودیشی پرچار
متفق ہو کے دکھا دو ذرا جوشِ نیشن
تم وطن کے ہو پیارا ہے تمہیں دل سے وطن

بختِ واژوں کی قسم گردشِ دوراں کی قسم نشترِ غم کی قسم، سوزشِ پنہاں کی قسم
نالۂ دل کی قسم، دیدۂ گریاں کی قسم تاب و طاقت کی قسم ہمّتِ مرداں کی قسم
دخل جس کام میں دینا اُسے پورا کرنا
کام مردوں کا نہیں کام ادھورا کرنا

ہند میں پھول ترقی کے کھلا دو مل کر اُجڑے گلزار کو فردوس بنا دو مل کر
رنگِ اقبال زمانہ میں جما دو مل کر خوبیاں حُسنِ تعارف کی دکھا دو مل کر
متفق ہو کے سب اک جان دو قالب ہو جاؤ
وہ ترقی کرو، ہر ملک پہ غالب ہو جاؤ

زرِ حکمت سے اگر چاہو تو نگر ہونا گرچہ منظور ہے دُنیا میں مُہنر ور ہونا
ہے جو حرفہ کی تجلّی سے منوّر ہونا ہو ہنر پاس کوئی چاہیئے جوہر ہونا
دھاک آج اپنی بٹھا دو وہ زمانہ بھر میں
ڈنکے ہر روز ترقی کے بجیں گھر گھر میں
کام ہوں گے جو سودیشی کے وطن میں جاری کھنچ کے ہر ملک کی آجائیگی دولت ساری
کھول دو کمپنی، چندے کی کرو تیاری بار اسکا نہیں کچھ اہلِ وطن پر بھاری
فنِ حرفہ میں کچھ حاصل جو مہارت ہوگی
اوج پر بخت ترقی پہ تجارت ہوگی
ملک کا فیض رہے ملک میں جاری ہر دم ملک کی چیز رہے ملک کو پیاری ہر دم
مُلک پر مُلک کرے جاں نثاری ہر دم ملک سے ملک کی ہو کاربرآری ہر دم
مُلک کے حق میں خدا سے کرو رونق یہ دُعا
ہو ہر اک ملک سے اِس مُلک کا رُتبہ اعلیٰ (فروری ۱۹۲۳ء)

فیشن

یک بیک بدلا ہے یہ رنگِ زمانہ کیسا سوانگ بھرتا ہے ہر اک مرد و زنانا کیسا
زیبِ تن مغربی فیشن کا ہے بانا کیسا ہند والوں کا ہے مشہور فسانا کیسا
چولا بدلا ہے بدن کا، کہ چلن بدلا ہے
اگلی پوشاک اتاری ہے کفن بدلا ہے
غیر مذہب کی جو تقلید کیا کرتے ہیں دین کی دید کو بے دید کیا کرتے ہیں
اپنی اُمیدوں کو نومید کیا کرتے ہیں دل پہ ہر وقت یہ تاکید کیا کرتے ہیں
کوٹ پتلون جو مل جائے تو عزت ہوگی

بھیس میں گوروں کے ہم کالوں کی قسمت ہوگی

میز کرسی پہ ٹفن کھانے کی عادت ہو جائے بسکٹ اور کیک ڈبل روٹی سے رغبت ہو جائے
وائن اور سوڈا پئیں پانی سے نفرت ہو جائے شیفتہ مغربی فیشن پہ طبیعت ہو جائے

چرچ کی سیر کریں، شوق ہو آزادی کا
سارا سامان رہے ہند کی بربادی کا

ٹھنڈی سڑکوں پہ پھریں خوب ہوائیں کھائیں سیر باغوں کی کریں روز کلب گھر جائیں
دل میں آزادی کی بڑھ بڑھ کے اُمنگیں آئیں نئے فیشن میں طریق اپنا نیا دکھلائیں

ساتھ لیڈی کو لئے جائیں جو سوئے ہوٹل
مست سر توڑ برانڈی کی چڑھائیں بوتل

پیگ پر پیگ اُڑے ختم نہ ہو دورِ شراب چشم پُرخوں رہے۔ دل سوختہ ہو مثلِ کباب
رنگِ بدمستی میں ڈوبا ہُوا ہر دم ہو شباب طائرِ ہوش اڑے چرخ پہ بن کر سرخاب

بو دماغوں میں سما جائے شہنشاہی کی
چھوٹے ہاتھوں سے کلید اپنے نہ گمراہی کی

مئے پندار سے ہیں مست شرابی ہوکر ساغرِ چشم چھلکتے ہیں گلابی ہوکر
رہتے ہیں بخت کے چکر میں خرابی ہوکر عرقِ شرم ڈبو دیتا ہے آبی ہوکر

آبرو کھوتے ہیں ایمان مٹا دیتے ہیں
نئے فیشن پہ دل وجان لٹا دیتے ہیں

ہندی چیزوں سے ہے نفرت جو بنے یورپین پائجامہ میں کمر بند کہاں، اب ہیں بٹن،
پائینچے پنڑ[1] کے دکھلاتے ہیں کیا کیا جوبن خول میں کیڑا ہے یا کوٹ دکھاتا ہے پھبن

طوقِ گردن کی طرح زیبِ گلو ہے کالر
چشمہ آنکھوں پہ رہا پردۂ غفلت بن کر

شکل کچھ اور ہُوئی جسم پہ جب سوٹ ڈٹا چاک قسمت سے گریباں ہے پس پشت پھٹا
چھا گئی چہرۂ دانائی پہ غفلت کی گھٹا دیدۂ عقل دخرد گرد ملامت سے اٹا[2]

[1] پتلون [2] بھر گیا

جام پر جام مئے کبر کے اب ڈھلتے ہیں
خرِ عیسیٰ کی طرح پھول کے کپا چلتے ہیں

کرکٹ اور ٹینس و پولو میں اُچھلتے دیکھا
گوئے سبقت کیلئے ہاتھوں کو ملتے دیکھا
کوئی فٹ بال سے مطلب نہ نکلتے دیکھا
پہلو تہذیب کا ہر اک کو بدلتے دیکھا

کھیل وہ کھیلے کہ رسوا ہوئے بدنام رہے
وہ کئے کام کہ ہر کام میں ناکام رہے

دمبدم سوختہ سینہ رہا۔ چھوٹا نہ سگار
آتشِ شوق دہکتی رہی دل میں ہر بار
مُنہ سے نکلا کیا دُودِ دلِ سوزاں کا بخار
حسرتیں جل کے تصدق ہوئیں پروانہ وار

شمع کی طرح زباں پر شرر انگیزی رہے
پھونکے دیتی ہے دہن آگ میں وہ تیزی رہے

کچھ عجب وضع، نئی قطع نرالی ہے دھجا،
شکل و صورت ہے نئی بھیس نیا روپ نیا
خوب فیشن ہے کہ فیشن میں بھی فیشن ہے جُدا
کوٹ نیچا ہے کسی کا، تو کسی کا اُونچا

کوئی صاحب ہے کوئی بابو، کوئی پادری ہے۔
حکم ہر ایک کا فیشن کے لئے نادری ہے۔

آجکل چال چلن اور نظر آتا ہے
اِس زمانے کا نیا طور نظر آتا ہے
کچھ عجب رنگ دمِ غور نظر آتا ہے
نقشہ بدلا ہُوا فی الفور نظر آتا ہے

آج پہلی سی زمانہ کی وہ حالت نہ رہی
ہائے وہ شان وہ شوکت وہ فضیلت نہ رہی

چھا گئی طالعِ روشن پہ یہ ظلمت کیسی
نور میں چمکی ہے دیجور کی رنگت کیسی
پردۂ شام میں ہے صبح کی صورت کیسی
ہر طرف پھیلی ہے تاریکی غفلت کیسی

اُف رے اندھیر، کہ پلٹا ہے نصیبا کیسا
لُوٹا فیشن نے جو تھا گانٹھ گرہ میں پیسا

بن گئے مفلس و قلاش مصیبت آئی،
عیش و آرام گیا جان پر آفت آئی

شامتِ بخت جو فیشن کی بدولت آئی اپنی تقدیر کو روتی ہوئی قسمت آئی

وضعداری کا یہاں شوق وہاں زر کی تلاش

صرف بیجا ہے اِدھر اور اُدھر فسکرِ معاش

حیف کچھ بھی نہ رہا مذہب وملّت کا خیال دین وایمان مٹا۔ لُٹ گیا جاہ واقبال

ایسا فیشن نے کیا آج تباہ و پامال وضعداری کے سبب آگیا دولت پہ زوال

بھیس گوروں کا بھرا کرتے ہیں اکثر کالے

پر نہیں ملتے سفیدی میں سیاہی والے

جو زمانہ میں رہے غیر عقیدت ہو کر شامل کفر ہوئے دین کی عزت ہو کر

جو چمکتے تھے کبھی مہر فضیلت ہو کر اب ہیں وہ خاک بسر نور شرافت ہو کر

ہو گئے تیرہ نشاں بخت نے ڈالا وہ خلل

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ایمان کو لے کر مشعل

لالہ لاجپت رائے کی رہائی

وہ جاں نثارِ ملک وہ روحِ روانِ قوم کہتے ہیں فخرِ قوم جسے عاقلانِ قوم

مشتاق دید جسکے تھے پیر وجوانِ قوم صد شکر دیکھتے ہیں اسے دربیانِ قوم

پھر گونج اُٹھے گا نعرۂ قومی سے آسماں پھر آگیا ہے قوم میں شیر زبانِ قوم

صد شکر ایک مونس وغمخوار آگیا پُر درد ہو چلی تھی غضب داستانِ قوم

پھیلے گی پھر ضیا کہ وہ روشن نفس مِلا چمکیگا آفتاب کی صورت نشانِ قوم

آزاد ہو کے آگیا قید فرنگ سے زینت فزائے ملک ہوا پاسبانِ قوم

جلوہ نما ہے شمع طریقت بسان مہر سرگرم سعی کیوں نہ ہو اب رہبرانِ قوم

غنچے شگفتہ ہو گئے بادِ مراد سے فصلِ بہار آئی، گئی اب خزانِ قوم

جھیلی مصیبتیں ہیں اسیری ہیں کس قدر
محو ثنا نہ کیوں رہے ہر دم زبانِ قوم

یوسف صفت بچھڑ گے ملا ہے عزیزِ ملک
آباد پھر دوبارہ ہُوا ہے مکانِ قوم

تازہ خیال ہوگا ترقی کے واسطے،
لائیگا رنگ اَور نیا اب بیانِ قوم

واقف جو ہے جہاں کے نشیب و فراز سے
آئیگی اس کے ہاتھ ہیں اب پھر عنانِ قوم

ہو کیا بیان رفعت و شانِ بلند کا
ہے سرزمینِ ہند یہ اب آسمانِ قوم

رکھے گا ملک و قوم کی جو اپنے لاج پت
رائے یہ سارے رکھتے ہیں روشندلانِ قوم

رَونق یہی دُعا ہے خدائے کریم سے
اب جلد تندرست ہو یہ پاسبانِ قوم

مہاتما گاندھی کی رہائی

بسنتی ساقی نامہ

کیا دل آرا یہ رُت بسنتی ہے
عشرت افزا یہ رُت بسنتی ہے

ساقیا ساقیا! شراب پلا
جلد لا جلد لا، شتاب پلا

بھر کے جامِ شراب دے ساقی
قدحِ آفتاب دے ساقی

بادۂ ارغواں پلا ساقی،
گھول کر زعفراں پلا ساقی

گر نہیں مَے تو بھنگ دے ساقی
رنگ میں آج رنگ دے ساقی

ہو کے سرمستِ بادۂ گلگوں
کچھ دکھانی ہے شوخیٔ مضمون

آج ہے جوش پر بہارِ بسنت
مست و سرخوش ہیں طرحدارِ بسنت

آج جوبن ہر اک حسیں پر ہے
سرسوں پھولی ہُوئی زمیں پر ہے

جلوے رُوئے اُمید کے ہیں عیاں
آج آثار عید کے ہیں عیاں

جشنِ عیش و طرب منائیں گے
خود پئیں گے مجھے پلائیں گے

دُھن کدھر کی لگی ہوئی ہے تجھے
کچھ خبر بھی بسنت کی ہے تجھے
روزِ نوروز رنگ لایا ہے۔
شادمانی نے مُنہ دکھایا ہے
کیوں بجھائیں نہ ہم لگی دل کی،
کِھل رہی ہے کلی کلی دل کی،
خوشیاں نوروز کی منانی ہیں
مستیاں عیش کی دکھانی ہیں،
رنگ لائی ہے اب اُمیدِ نشاط
دے رہی ہے صبا نویدِ نشاط
ہے جو سرتاج قوم کا گاندھی
ہوگیا آج وہ رہا گاندھی
جھک رہی ہے قدم قدم پہ جبیں
آج آنکھیں ہیں اپنی فرشِ زمیں
اس کی آمد کا خیر مقدم ہے۔
جس پہ قربان ایک عالم ہے
آگیا ہم میں وہ فدائے قوم
قوم کا ہے جو پیشوائے قوم
کیوں نہ مستِ مئے طرب ہو جہاں
ساغرِ عیش چل رہا ہے یہاں
ہیں سرورِ نشاط سے دل شاد
کیوں نہ ہر لب پہ ہو مبارکباد
زعفراں زار آج ہر دل ہے
رشکِ رنگِ بہار ہر دل ہے

مستِ موجِ مئے نشاط ہیں سب
بھر رہا ہے دلوں میں جوشِ طرب

شیواجی کا عہدِ طفلی

عہدِ طفلی کا ہے شیواجی کے یہ اک ماجرا
اُس سے چوسر کھیلنے کو ایک دن ماں نے کہا
رہ گئے بس تین[1] کانے پانسہ جب اُلٹا پڑا
ہار پر چاہا صِلہ ماتا نے اپنی جیت کا
اُس کے چھکّے چھُٹ گئے اور ماں کے پَو بارہ[2] ہوئے

[1] چوسر کے کم از کم داؤ۔ گھٹیا داؤ، پانسہ ہلکا پڑنا [2] چوسر کے بہترین داؤ۔

یُوں بڑھائے ماں نے بہرِ امتحاں پھر حوصلے
سامنے اک قلعۂ کوہِ گراں آیا نظر
بول اُٹھی ماتا کہ دیدے مجھکو تو یہ اے پسر
سُنتے ہی فوراً اُٹھا وہ کھینچ کر تیغ و تبر
تھا دھنی قسمت کا قدموں پر گِری فتح و ظفر
کیا جری تھا، جاں لڑا دی حکم مادر کے لئے
معجزہ ہے یہ بھی اک ایسے دلاور کے لئے
درسِ عبرت اِس سے لو اے نوجوانانِ وطن
چاہئے مضبوط کرنا تمکو اپنا سنگھٹن
لہلہاتا دیکھنا ہے گر مرادوں کا چمن
جاں نثارِ قوم ہو کر باندھ لو سر سے کفن
دشمنوں کے سامنے ہر دم رہو سینہ سپر
تاریخِ قمر ماں تمہارا تا رہے ہر اک بشر

بہادر شیواجی

مردِ میدانِ شجاعت تاجدار ذی وقار
شور بیر و شیر نر، شمشیر زن، عالی تبار
سرفروشِ قوم، ایثارِ مجسم، جاں نثار
ہاتھ میں آیا ہُوا تھا جس کے شاہی اقتدار
تھا وہ شیواجی مرہٹہ جس کی تیغِ برق دم
دم زدن میں کر دکھاتی تھی ہزاروں سر قلم

عقل ہے حیرت میں اُس کے کارنامے دیکھکر
سرکشان دہر کے جھکتے تھے اُس کے آگے سر
کس قیامت کا تھا خنجر آزمائی میں اثر
ہر قدم پر چوم لیتی تھی قدم فتح وظفر

شیر مرد قوم تھا قومی حمیّت کا نشاں،
اُس کی ہیبت سے لرزتے تھے زمین و آسماں،

دھوم تھی زور شجاعت کی زمیں سے تا فلک
دیکھ کر میداں میں اُسکے رُوئے انور کی جھلک
اُف رے یہ ہیبت! ہلا سکتے نہ تھے دشمن پلک
رُعب وہ تھا، کانپتا تھا جس سے عالمگیر تک

لا سکے اس سے نہ تاب رزم شاہانِ جری
ہو گئی سب خاک میں پل پل کے شیخی کرکری

کر گیا گھر گھر میں اپنے نام کا سکہ رواں،
آج تک مانے ہُوئے ہے اسکا لوہا اک جہاں،
قوم میں اپنی ہے کوئی شور ببر ایسا جواں،
باندھ دے جو دھاک اپنی مثل شیوا جی یہاں،

زندگی سے اس کی لینا چاہئے رونق سبق
کہ رہا ہے یوں کتاب دل کا ہر سادہ ورق

شری گنگا جی کا تقدّس

(یہ نظم ہردوار کے کوی سمیلن کیلئے لکھی گئی)

بنا آئینہ خانہ ہے جو چپّہ چپّہ گنگا کا.

نظر آتا ہے ہر سو اک عجب حیرت فزا نقشہ
ضیائے حسنِ دلکش میں ہے اِسکے طور کا جلوہ
عیاں برقِ تجلی سے ہے اسکا رازِ سربستہ
یہ اُن روشن ضمیرانِ جہاں کا آج جلسہ ہے
کہ جن کے قلبِ پاکیزہ میں نورِ حق کا جلوہ ہے

چراغِ معرفت سے ہو رہی ہے بزم نورانی
کہ ہر مَوجِ رواں گنگا کی ہے شمعِ شبستانی
ضیابخشِ دو عالم ہے وہ اسکے فیض کا پانی
کہ جس کے قطرے قطرے میں ہے شانِ فیضِ ربّانی
یہیں پرماتما کے نور کی ہے جلوہ افزائی
یہیں ہوتی ہے ہر مرتاضِ عالم کی جبیں سائی

یہیں یوگی وسنیاسی زمانے کے تھے جلوہ گر
یہیں اشراق انساں کو ہُوا ہے اسکے ساحل پر
اسی کی خاک میں آیا نظر بکنٹھ کا منظر
ہر اک ذرّہ ہے اسکی خاک کا اک نور کا پیکر
ترا[1] دیتی ہے دم بھر میں یہ گنگا رانی عالم کو
اسی کے جلوہ اقدس پہ فخر و ناز ہے ہم کو

بزرگان و محبِّ قوم کے جلوے یہاں پر ہیں
ہزاروں والیانِ ملک اس جا نور گستر ہیں
لبِ ساحل یہیں پر سایہ افگن حسن پیکر ہیں
کہ جن کے فیض سے بگڑے ہُوئے بنتے مقدر ہیں
یہیں پر رونق افزائی ہے اُن عالی مکانوں کی
فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں جن کی پاک شانوں کی

[1] مُکتی دلا دیتی ہے

یہ وہ ہیں جن کی ہے خاکِ قدم سے ہند کی عظمت
یہ وہ ہیں جن کے جلووں میں عیاں ہے جلوۂ قدرت
یہ وہ صد فخر ملت ہیں، کہ نازاں جن پہ ہے بھارت
یہ وہ ہیں جو تصدق قوم پر کرتے ہیں دھن دولت
ہر اک ذی شان ذی رتبہ ہے ان میں دان ویر ایسا
غریبوں کا بھلا کرتا ہے جن کے فیض سے کیسا

انہیں سے آج ہونا ہے یہاں اُدّھار بھارت کا
اتاریں گے یہی ہاتھوں سے اپنے بار بھارت کا
دلوں میں ہو رہا ہے موجزن انیار بھارت کا
چمکنے کے لئے ہے طالع بیدار بھارت کا
بنا دیں گے یہ دم میں خارزارِ دشت کو گلشن
بنیگا ذرہ ذرہ اس کا رونق غیرتِ ایمن

مذہبی عقیدت

کرشن بھگوان

کدھر ہو شام بنواری ہمارے نہیں ہوتے ہیں کیوں درشن تمہارے
کہاں ہیں آج وہ دلکش نظارے لگی ہے ٹکٹکی جمنا کنارے
دکھا دو پھر وہی جلوہ دکھا دو
ہمیں پھر محو صد حیرت بنا دو

تماشا ہو نیا آبِ رواں کا قدم بڑھ بڑھ کے لے ہر موجِ دریا
رہے یُوں عکس افگن حُسنِ یکتا نظر پانی میں آئے رُوئے زیبا
گماں لہروں پہ برقِ طور کا ہو
حبابِ آب بقعہ نور کا ہو

ستارے لوٹ ہوں خالِ جبیں پر فلک اُترا ہُوا دیکھیں زمین پر
کہیں عرشی بھی سب عرشِ بریں پر نمایاں نور اطہر ہو یہیں پر
عیاں پھر حسن کی تنویر ہو جائے
تمہاری دید کی تدبیر ہو جائے

کرشمہ ساز ہوں جذباتِ پنہاں نظر فطرت میں آئے شانِ ارماں
اُٹھائے جوشِ اُلفت دل میں طوفاں تمہیں تم ہر طرف ہو جلوہ ساماں
غریقِ بحر رحمت دل ہو اپنا ،

جہاں تم ہو وہیں ساحل ہو اپنا

وہی چھب ہو وہی مرلی مکٹ ہو وہی کنڈل وہی ناگن سی لٹ ہو
وہی شان ادا ہو، بنسی بٹ ہو وہی تم ہو، وہی جمنا کا تٹ ہو

بھری ہو نَے میں سوچوں کی روانی
سُروں کے ساتھ لہراتا ہو پانی

درِ گودِ[1] فضیلت باز ہو جائے ترنم ریزِ قدرت ساز ہو جائے
لبِ نَے کا عیاں اعجاز ہو جائے اثر انداز دل آواز ہو جائے

سنا دے مست بنسی کا ترانہ
پھر آئے وجد میں سارا زمانہ

پئے نظارہ ہیں بیتاب نظریں بنی ہیں ماہیٔ بے آب نظریں
دلِ پُرشوق کا ہیں باب نظریں تمہارے دیکھتی ہیں خواب نظریں

دکھا دو اپنا حُسنِ لا یزالی
پھرے آنکھوں میں تصویرِ جمالی

خیالِ حُسن میں سینہ تپاں ہے فغاں میں سوزِ اُلفت کا دھواں ہے
سرشکِ چشم سے دریا رواں ہے دفورِ غم سے دل گریہ کناں ہے

تڑپ کر جان مضطر کھو رہا ہے
جنوں خیزِ تمنا ہو رہا ہے

نہیں سنتے ہو کیوں فریاد و زاری قیامت زا ہے رنگِ بیقراری
پڑی ہے اب بپت کچھ ایسی بھاری مصیبت میں ہے ہند و قوم ساری

اسیرِ پنجۂ غم ہو رہے ہیں۔
طلبگارِ مدد ہم ہو رہے ہیں۔

تمہیں تو اک عصائے ناتواں ہو تمہیں تو دستگیرِ بے کساں ہو
تمہیں تو چارۂ دردِ نہاں ہو تمہیں مشکلشائے دوجہاں ہو

[1] گود۔ انبار۔ ڈھیر

جو چشمِ لُطف اِدھر اک بار ہو جائے
ہمارا دم میں بیڑا پار ہو جائے

ہمیں بھی بھگت ارجن سا بنا دو — کوئی اُپدیش گیتا کا سُنا دو
سبق فنِ شجاعت کا پڑھا دو — خیالِ بزدلی دل سے بھلا دو

کرو پیدا رگوں میں وہ حرارت
کہ آئے جوش میں خونِ حمیّت

رہے کچھ بھی نہ ڈر جیون مرن کا — لباسِ نیستی جامہ ہو تن کا
تعلق قطع ہو رُوح و بدن کا — ملے مر کر کفن خاکِ وطن کا

کچھ ایسی قوم پر جانیں لڑا دیں
کہ ہر سُو فتح کا ڈنکا بجا دیں

شرن میں آگئے ہیں ہم تمہاری — خبر اب جلد لے لو تم ہماری
دکھا دو اپنا رحم فضل باری — تمہیں کہتے ہیں گھنشام اور مراری

عطا بھگتوں کو ہو جائے وہ طاقت
جہاں میں نام کر جائے شجاعت

فضائے حُبِّ قومی رنگ لائے — مُرادِ دل کا چمن پھر لہلہائے
ترقی کی نئی کلیاں کھلائے — ثمر نخلِ تمنا میں پھر آئے

بہاریں لوٹتی ہیں سنگھٹن میں
دکھانی خوبیاں ہیں اِس چمن میں

ضرورت ہے مدد گاری کی۔ آؤ — مہم سر پر ہے دشواری کی۔ آؤ
گھڑی کہتی ہے بیداری کی۔ آؤ — سنیں ہم بات ہشیاری کی، آؤ

نشانِ دشمنِ بد ہیں مٹا دو
کرشمہ سازیٔ قدرت دکھا دو

چمک برقِ تجلّٰی کی دکھا دو — ظہورِ جلوۂ حُسنِ نہاں ہو

رخِ انور ضیا بارِ جہاں ہو جوابِ طورِ سینا ہر مکاں ہو
جھپک جائیں دمِ نظارہ آنکھیں
نگاہِ شوق کی چلمن ہوں پلکیں
تمہیں دیکھیں جہانِ آرزو میں رہو رونق کی چشمِ جستجو میں
سخن آئے زباں پر تم سے۔ تو میں کھلے رازِ حقیقت گفتگو میں
بنا رکھا ہے بہرِ دید مندر
چلے آؤ ہمارے دل کے اندر (اگست ۱۹۲۷ء)

کرشن کا اپدیش

کچھ پست ہمّت ارجن رن میں جو ہو گیا تھا،
طاری تھی وہ اوداسی مرجھا گیا تھا چہرہ
رعشہ سا تھا بدن میں، اٹھتی تھی کپکپی سی،
اترا ہوا تھا تن سے مردانگی کا بانا،
ہتھیار رکھ دیئے تھے ظلم و ستم سمجھ کر
کہتا تھا۔ میں نہ ہوں گا اپنوں سے رزم آرا
باتوں کے اپنے جوہر کس کو دکھاؤں رن میں
جو ہے مقابلے میں پروار ہے وہ اپنا
نہ کر دیئے تھے جوہر فنِ سپہ گری کے
ہوش و خرد ہوئے گم، تھا بدحواس ایسا
گھیرا تھا غفلتوں نے حق پر نظر نہیں تھی،
اِک وہمِ ظاہری کے بس میں وہ ہو چکا تھا،

لہ تو محبت اور بے تکلفی کا کلمہ ہے۔

یہ دیکھکر دیا پھر اُپدیش کرشن جی نے۔
سنکوچ[1] ہے یہ کیسا بِرتھا[2] خیال ہے کیا۔
مایا کے ہیں کرشمے جتنے ہیں بھائی بندھو
متھیا[3] ہے بھرم تیرا، کوئی نہیں ہے اپنا
مرتا نہیں ہے پرانی، یہ آتما امر ہے۔
جلتا نہیں جلائے، کاٹے نہیں ہے کٹتا
ہے بدحواس اتنا اس خوفِ مرگ سے کیوں
حاصل جسے بقا ہے، اسکے لئے فنا کیا
محفوظ از فنا ہے یہ رُوح اس بدن میں،
ملتا ہے خاک میں تن پر خاک کا ہے پُتلا
اب فرض کے ہو تَت[4] پر وہم و گماں کو تج کر
گانڈیو[5] اب اُٹھا لے، ہے شور بیر کیسا
حُسنِ عمل کی اپنے اب روشنی دکھا دے
اگیان کو مِٹا دے کر دور سب اندھیرا۔
ہے دھرم کشتریوں کا دُشٹ کرم ناشں کرنا
اوسر ملا ہے تجھکو ہو جلد حملہ آرا
تلقینِ حق نے کھویا، جب دل سے وہم باطل
لے کر دھنش کو اپنے میدان میں پھر آیا۔
جیون مرن کی ساری دل پر کھُلی حقیقت
ارجن کی ویرتا نے رگ رگ میں جوش کھایا
پھر وہ دکھائے رن میں مردانگی کے جوہر
گا دزمیں بھی کانپی، آیا فلک کو لرزا۔
اے قوم کے جوانو! لو درس عبرت اس سے
غرقاب تم بھی کردو اگیانتا کا بیڑا

[1] سوچ بچار، شش و پنج [2] فضول [3] جھوٹ [4] شک [5] راستہ [6] ایک دھنش کا نام

شانِ نبیؐ

ستارہ اَوج پر کیونکر نہ ہو شانِ نبوّت کا
فلک منظر ہے رتبہ تیرے احکامِ شریعت کا
کھُلا تجھ سے جہاں میں رازِ سربستہ حقیقت کا
دکھایا حسنِ کثرت میں ہے جلوہ نورِ وحدت کا

نہ تجھ سا پیشوائے دیں اگر پیدا یہاں ہوتا
نہ بُنیادِ زمیں ہوتی، نہ قائم آسماں ہوتا

جہاں میں تُونے چمکایا ہے وہ آئینہ قرآں کا
کہ جس سے ہر طرف پھیلا ہُوا ہے نورِ ایماں کا
ضیائے دیں ہے بہرِ چشمِ عالم بابِ عرفاں کا
دلوں میں تُونے جلوہ بھر دیا توحیدِ یزداں کا

جلائی بزمِ امکاں میں وہ مشعل حق پرستی کی
ہُوئی روشن حقیقت جس سے تیری پاک ہستی کی

تجھے ختم الرسل کہتے ہیں شاہِ انبیا تو ہے
جنابِ سرورِ عالم محمدؐ مصطفےٰ تو ہے
یہ حق ہے نائبِ حق ہے حبیبِ کبریا تو ہے
ہمارا پیشوائے دیں ہمارا رہنما تو ہے

ہُوئی ہے دم قدم سے تیرے مذہب کی فراوانی
تجھی سے ہے یہاں قائم یہ بنیادِ مسلمانی

نہ ہوتا کیوں زمانہ معتقد تیری رسالت کا
چلایا ہر طرف تو نے یہاں سکّہ شریعت کا

ہُوا عامل ہر اک لے کر سبق قرآں کی آیت کا
چلن ہر سو ہُوا تجھ سے عبادت کا ریا ضت کا
جبھی تجھکو شفیع دو جہاں حق نے بنایا ہے
کلام پاک میں نامِ محمّد صاف آیا ہے
حقیقت میں مطیع حکم ہے سارا جہاں تیرا۔
تسلط ہے در عالم میں یہاں تیرا وہاں تیرا۔
زمیں پر بھی ہے گھر تیرا، فلک پر بھی مکاں تیرا۔
نشانِ حق سے ملتا ہے ہر اک جا پر نشاں تیرا۔
دلِ رونق نے ڈھونڈا جس طرف تجھکو اُدھر پایا
یہاں بھی جلوہ گر پایا۔ وہاں بھی جلوہ گر پایا

رام درشن

ہاں دکھا دے معجزہ اے خامۂ جادو اثر
کھینچ دے تصویر ایسی صفحۂ قرطاس پر
دیکھ کر حیرت میں رہ جائے جسے چشم و نظر
سامنے اسکے پئے تسلیم خم ہو جائے سر
حُسنِ معنی میں نظر آجائے جلوہ رام کا
ہر دلِ انسان پر کھنچ جائے نقشہ رام کا
ہو منوّر نور سے آئینۂ رنگِ خیال
ہر گھڑی پیشِ نظر ہو منظرِ شانِ جلال
نور دے جائے نگاہوں میں وہ حُسنِ لایزال

صورتِ مردم پھرے آنکھوں میں شکلِ بے مثال
آشکارا ذرّہ ذرّہ سے ہو صورت رام کی۔
جلوہ گر آئے نظر کثرت میں وحدت رام کی۔

بیخودِ جلوہ ہوں وہ حُسنِ پنہاں دیکھکر
محوِ صد حیرت رہے دل شانِ یزداں دیکھکر
دیدۂ حق بیں عکسِ روئے رخشاں دیکھکر
ہو گماں نورِ یکتا حُسنِ تاباں دیکھکر
مجھ میں بھر جائے تجلّیٔ رُخِ زیبائے رام
سرو قد بن جاؤں تصویرِ قدِ رعنائے رام

میری صورت پر زمانے کو ہو دھوکا رام کا
میرے ہر نقش و نگارِیں میں ہو نقشا رام کا
حُسنِ فطرت میں نظر آئے کرشمہ رام کا
ہو مری چشمِ تماشا میں تماشا رام کا
سازِ ہستی میں عیاں رنگ ادائے رام ہو
ہر بنِ مُو سے مرے پیدا صدائے رام ہو

یہ وہ ہے آیا تھا جو لیلا رچانے کے لئے
ظالموں سے دیوتاؤں کو چھڑانے کے لئے
محوِ حیرت اک زمانے کو بنانے کے لئے
خلق کو اعجاز قدرت کا دکھانے کے لئے
یُوں نہ ہوتا وہ عیاں گر پردۂ صد راز سے
آشنا ہوتا نہ کوئی حسن فطرت ساز سے

یہ وہ ہے جس سے ہُوا گھر گھر اُجالا دھرم کا
یہ وہ ہے جس سے بنا ہر دل شوالا دھرم کا

یہ وہ ہے جس نے یہاں رستہ نکالا دھرم کا
یہ وہ ہے جس سے ہُوا ہے بول بالا دھرم کا
یہ وہ ہے جس سے ضیائے عالمِ توحید ہے
یہ وہ ہے جو دھرم کا آغاز ہے تمہید ہے
یہ وہ ہے جو پیکرِ انساں میں آیا تھا یہاں
یہ وہ ہے، تھا جو کہ دسرتھ کا چراغِ خانداں
یہ وہ ہے، جس کا مطیعِ حکم تھا سارا جہاں
یہ وہ ہے، جس نے مٹایا دشٹ راون کا نشاں
کیوں نہ ہو عشرت فزا فتح و ظفر کا آج دن
ہے مبارک اُس کی شانِ کرّ و فر کا آج دن
کارنامے اُس کے رونق ہو نہیں سکتے بیاں
داستانِ رام ہے اک معرفت کی داستاں
کر سکا ہرگز نہ کوئی منکشف رازِ نہاں
ہو چکے ہیں سینکڑوں اس باب میں رطب اللساں
واقعاتِ رام جو مرقوم رامائن میں ہیں۔
بھر رہے ہیں سب مرے دل میں وہ میرے من میں ہیں۔

ذاتِ محمدؐ

نظر آئے نہ جلوہ ہر گھڑی کیونکر محمدؐ کا
ازل سے دیدہ و دل میں ہے اپنے گھر محمدؐ کا
قلم لاؤں پرِ جبریلؑ بن کر شاخِ طوبیٰ سے

رقم ہو جب کہیں وصفِ رُخِ انور محمدؐ کا
فرشتوں نے پڑھیں جھک کر نمازیں اُنکے دامن پر
نظر آیا جو بے سایہ قدِ اطہر محمدؐ کا
نظر آتی ہے جو صورت، سمجھتا ہوں نبی آئے
ہُوا کرتا ہے دھوکا خواب میں اکثر محمدؐ کا
نہ ڈر تر دامنی کا ہے نہ کچھ خوفِ معاصی ہے
بھروسہ ہے پئے بخشش سرِ محشر محمدؐ کا
کھنچا آئینۂ دل پر میرے اک نقشِ صد حیرت
نظر آیا جو عکسِ عارضِ انور محمدؐ کا
نشاں مخلوق کا ہوتا نہ بنتی یہ کبھی دُنیا
نہ آتا صورتِ انساں میں گر پیکر محمدؐ کا
کہے کیونکر نہ محبوبِ دو عالم پھر جہاں سارا
کہ خود ہی عاشقِ صادق ہے جب داور محمدؐ کا
بجھے گی کشتگانِ آرزو کی پیاس جنّت میں
نظر آئے گا جب جلوہ سرِ کوثر محمدؐ کا
اگر مِل جائے رہنے کو زمینِ یثرب و بطحا،
بناؤں سجدہ گہ اپنی میں سنگِ در محمدؐ کا
یہ وہ ذاتِ مقدس ہے رسالت ختم ہے جن پر
ہُوا ہے اور نہ ہوگا اب کوئی ہمسر محمدؐ کا
نہ کیوں ہو قدر دونی مرہمِ داغِ محبّت کی
کہ ہے بیٹھا ہُوا سکہ مرے دل پر محمدؐ کا

شری کرشن جنم

مُبارک ہے یہ دن جنم اشٹمی کا نہیں اس سے بڑھکر کوئی دن خوشی کا
سماں بزمِ عرفاں کی ہے روشنی کا کہ آتا ہے جلوہ نظر کرشن جی کا
ضیا پاشِ حُسنِ ازل ہو گیا ہے
ہر اک دل کا روشن کنول ہو گیا ہے

شرف یہ ملا برج کی خاک کو پھر زمیں بوس دیکھا ہے افلاک کو پھر
ہُوا وہم میں دخل ادراک کو پھر کہ دیکھا ہے اس صورتِ پاک کو پھر
کیا جس نے رازِ حقیقت عیاں ہے
ہُوئی جس سے کثرت میں وحدت عیاں ہے

وہ ست نام گوپال گئو ئیں چرّیا وہ مور مکٹ دھاری بنسی بجیّا
وہ موہن مراری وہ دیالو کنہیّا وہ گوکل کا متھرا بھون کا بسیّا
کیا کرتی ہے خلق پرنام اسکو
کہا کرتے ہیں شیام گھنشیام اسکو

ہُوا پھر جہاں میں وہ پرتو فگن ہے تجلی سے پُر نور ہر انجمن ہے
گلِ معرفت کا شگفتہ چمن ہے ہر نگ سحر رنگ شامِ وطن ہے
گھروں میں ہے ہر جا اُجالا اُسی کا
ہر اک دل بنا ہے شوالا اُسی کا

عجب مشعلِ بزمِ ایمان ہے یہ عجب روشنی دل و جان ہے یہ
عجب شکل و صورت عجب شان ہے یہ عجب اسکی قدرت ہے بھگوان ہے یہ
اِسی کے ہیں دید اور پران اور گیتا
اِسی کے ہے گیان و دھرم کی یہ دنیا

دکھا کر یہ سب کو رہ حق و باطل بنا دیگا صداقت و صداقت کا عامل
رہیگا جو لطف و کرم اس کا شامل نہ درپیش آئے گی پھر کوئی مشکل
یہاں دار و عقدہ کشائے جہاں ہے
ہر اک راز عالم پہ اسکا عیاں ہے

اسی نے یہ سنسار سارا بنایا اسی کی ہے پھیلی ہوئی ساری مایا
اسی نے تھا انگلی پہ پربت اُٹھایا اسی نے غرور اندر کا دم میں ڈھایا
اسی نے دیا ساتھ ارجن کا رن میں
اسی نے لیا پانڈوؤں کو سرن میں

یہ امتحان یہ بھی تھا اک اشارا سر سورِ دھیج پر چلا تھا جو آرا
ہُوا قول سے اپنے خود وہ دو پارا کیا قتل بیٹوں نے آخر گوارا
دکھایا یہ اعجاز پھر اس نے اپنا
ہُوا پھر وہ جسم تراشیدہ زندہ

فراوانی ظلم تھی جب یہاں پر رواں تھا ستمہائے بے حد کا خنجر
تہِ تیغ اس نے کئے وہ ستمگر کہ جن سے بپا اک قیامت تھی گھر گھر
ہُوئے کنس جیسے ہزاروں کے ٹکڑے
اسی نے مٹائے تھے بھارت کے دُکھڑے

جفائے فلک کی ہے پھر کچھ شکایت دگر گوں ہے آفت رسیدہ کی حالت
وہ ہے بسمل تیر خوردہ یہ بھارت کہ اُٹھتی ہے اسکی تڑپ سے قیامت
سنبھالا جو اس نے سنبھل جائے گی پھر
جو بگڑی ہے حالت بگڑ جائے گی پھر

سبق دیکے غفلت کی ہشیاریوں کا دکھائے گا آئینہ بیداریوں کا
سبب ہے یہ اپنی مددگاریوں کا مٹا دیگا قصہ دل آزاریوں کا
یہی مطلب و مدعا ہے ہمارا

یہی پیشوا و خدا ہے ہمارا

ضرورت ہے اب قوم کو سنگھٹن کی
دکھانی ہے شان امارت وطن کی
خبر کیا ہے شیرازہ انجمن کی
کہ بکھری ہوئی ہر کلی ہے چمن کی
جو غنچوں کے منہ اس میں کھلنے لگیں گے
تو پھولوں میں اک روز تلنے لگیں گے

یہی کشتیٔ قوم کا ناخدا ہے
یہی ڈوبتوں کا جہاں میں عصا ہے
اسی سے مرادوں کو ساحل ملا ہے
اسی نے ہر اک پار بیڑا کیا ہے
یہی بحرِ مقصود کا ہے کنارا
اسی پر ہے رونق بھروسہ ہمارا

کرشن درشن

آنکھوں میں پھر رہی ہے تصویر معرفت کی
نورِ نظر بنی ہے تنویر معرفت کی
جادو نگاریاں ہیں تسخیر معرفت کی
نقشِ کتاب دل ہے تحریر معرفت کی

وردِ لب و زباں ہے وحدت کا جو سبق ہے
مضمون معرفت سے رنگیں ورق ورق ہے

ہر شے میں دیکھتے ہیں توحید کا نظارا
کثرت میں بھی عیاں ہے وحدت کا اسکی جلوا
ہے عکسِ پُرضیا کا ادنے سا یہ کرشما
خورشید بن رہا ہے ذرّہ ہے جو زمیں کا

پھیلی ہوئی جہاں میں ہر سو تجلیاں ہیں
کیا حسنِ ما سوا کی جلوہ فروزیاں ہیں
نیرنگیٔ زمانہ قدرت کا ہے تماشا
کوزہ میں ہو رہا ہے گویا کہ بند دریا
کھلتا نہیں کسی پر رازِ طلسم اُس کا
اک نقشِ حیرتی ہے چشم و نظر کا پردا
حُسنِ وجود میں ہے، رنگِ شہود میں ہے
نور و ظہور اس کا ہر ہست و بُود میں ہے
موجود ہے وہ ہر جا لیکن کہیں نہیں ہے۔
اس کا فلک نہیں ہے یا یہ زمیں نہیں ہے
سارے مکاں ہیں اُسکے کس میں مکیں نہیں ہے۔
دیکھے جو آنکھ اس کو وہ دوربیں نہیں ہے۔
صحرا میں خار و خس ہے گلشن میں رنگ و بُو ہے
پتھر میں مثل آتش پنہاں وہ شعلہ خو ہے
وہ فصلِ گل کہیں ہے بادِ خزاں کہیں ہے
موجِ فنا کہیں ہے، آبِ رواں کہیں ہے
حُسنِ نہاں کہیں ہے، رنگِ عیاں کہیں ہے
دُور از نظر کہیں ہے زیبِ مکاں کہیں ہے
روشن چراغِ وحدت بزمِ صفات میں ہے۔
وہ لمعہ تجلّی ہر کائنات میں ہے۔
جلوہ حقیقتوں کا رنگِ مجاز میں ہے۔
وہ شانِ بے نیازی پنہاں نیاز میں ہے۔
رازِ طلسم اسکا عالم کے راز میں ہے۔

آو اپنے سرِّ وحدت ہستی کے ساز میں ہے
معبُود بھی وُہی ہے، مسجود بھی وہی ہے
باب قبول و حُسن مقصود بھی وہی ہے

ارجن سا کاش مَیں بھی ہو جاؤں بھگت ایسا
کھنچ جائے چشم و دل میں صورت کا اسکی نقشا
پیشِ نظر ہو ہر دم تصویرِ حُسن یکتا
محوِ خیال دل پر پردہ ہو بے خودی کا

حدِّ یقین کو پہنچوں وہم و گمان ہو کر
اُس بے نشاں کو پہنچوں میں بے نشان ہو کر

مستِ صدائے دلکش دل کو بنا رہا ہے۔
توحید کے ترانے نے مَیں سُنا رہا ہے۔
وحدانیت کے سُر میں تانیں اُڑا رہا ہے۔
اعجاز بنسری کا اپنی دکھا رہا ہے۔

پھر برج کے بھون میں شاید جنم لیا ہے
آغاز پھر جہاں مین توحید کا ہُوا ہے

ہے حُسن لا یزالی آئینۂ نظر میں۔
پھر جلوہ گر ہُوا ہے وہ پیکرِ بشر میں۔
پھر نورِ ذات چمکا ہر کوہ و بحر و بر میں۔
آتش میں، آب و گِل میں، برگ و گُل و شجر میں۔

پھر خلق میں ہُوئی ہے جلوہ نمائی حق کی،
سجدے میں پھر ہَے حق کے ساری خُدائی حق کی،

نقشِ قدم سے اُسکے پھر آسماں زمیں ہے
اُترا ہُوا زمیں پر عرشِ بریں یہیں ہے

صد قے نشانِ پا پر خورشید کی جبیں ہے۔
بزمِ جہاں میں پھر وہ رنگِ جناں چنیں ہے۔
تاروں نے پھر چُنی ہے ماتھے کی اسکے افشاں
مہتاب کی ضیائیں ہیں گرد اس کے رخشاں

اب ہے عالمِ تصوّر بھرتِ جلوہ کر دے
رنگِ خیالِ وحدت آنکھوں میں میری بھر دے
ہو جس میں جذبِ کامل وہ عشق میں اثر دے
دیکھا کروں اسی کو اپنی مجھے نظر دے
وارفتۂ خودی ہوں محوِ خیال ہو کر
بن جاؤں اسکی صورت اسکا کمال ہو کر

گیتا سُنانے والا، اُپدیش دینے والا۔
ہے آفتابِ رحمت وہ دھرم کا اُجالا۔
اُس کی مئے محبّت امرت کا ہے پیالا
ہے ہر دلِ بشر میں اس ناتھ کا شوالا۔
کچھ لا بھ دھنوں کی رکھتے ہیں یہ پوجاری
در پر کھڑے ہوئے ہیں دُنیا کے سب بھکاری

پہلی سی پھر جہاں میں لیلا رچائے گا وہ!
نیرنگِ حُسنِ قدرت اپنا دکھائے گا وہ!
پربت کو اُنگلیوں پر اپنی اُٹھائے گا وہ!
کوہِ گراں کو دم میں رائی بنائے گا وہ!
پھر کنس جیسے ظالم لاکھوں ہلاک ہونگے۔
جو فتنے اُٹھ رہے ہیں وہ زیرِ خاک ہونگے۔
مذہب کا دا کرے گا پھر وہ درِ حفاظت

جس پر ہے جانِ دُنیا اک معنیٰ عبادت
پٹنا جو دھرم پر ہے پیدا کرو وہ طاقت
دشمن بھی زیر ہو کر دل سے کریں اطاعت

پیدا جہاں میں ہوں گے ارجن سے لاکھ یودھا
ہر نوجواں بنے گا شہ زور بھیم جیسا

چھا جائے گا دلوں پر رُعبِ صداقت ایسا۔
دہشت سے دشمنوں کا ہل جائے گا کلیجا۔
جو ہر دکھائیں گے وہ جب اپنی قوتوں کا۔
سر ہو گا اُن کے آگے دیوِ فلک کا نیچا۔

ہمت سے سر کریں گے میدان حق پرستی
آئیگا ہاتھ اپنے سامان حق پرستی

گیتا کا جو سبق ہے وہ حرزِ جاں کریں گے
مضمونِ وید اقدس وردِ زباں کریں گے
جو ہو سکا نہ ہم سے وہ نوجواں کریں گے
ادھار ہمتوں سے بھارت کا ہاں کریں گے

لہرائے گا جہاں میں ست دھرم کا پھریرا
تو سی نشان ہو گا پھر سنگھٹن کا جھنڈا

جانسوز ہیں شرار سے شرّ و فساد کے اب
بھونکیں کہیں نہ شعلے اس بدنہاد کے اب
غائب ہوئے ہیں چشمے وہ اتحاد کے اب
پینے پڑے گھونٹ جن سے آب مفاد کے اب

اِن فرقہ داریوں کی آتش بجھائیں گے وہ
جام مئے محبّت اِک دن پلائیں گے وہ

چرخہ اگر یہاں پر گھنشیام کا چلے گا
بن بن کے سوت سکّہ اس نام کا چلے گا
جو کچھ بھی پھر چلے گا وہ کام کا چلے گا
بھر جائینگے خزانے جب دام کا چلے گا
زینہ ترقیوں کا معراج کا ذریعہ
ہے یہ بقولِ گاندھی سوراج کا ذریعہ

لاحل بنا ہُوا ہے ہر عقدۂ مراحل!
کوسوں ہے آرزوئے مقصد کی دُور منزل!
گردابِ پُرغضب میں آگئی ہے کشتیِ دل!
دریائے موجزن کا ملتا نہیں ہے ساحل!
آئیں شرن جو اس کی ہو جائے پار بیڑا۔
مٹ جائے دم میں جھل اور آدھرم کا بکھیڑا

بھگتی کرشن کی کچھ ایسی جہاں میں پھیلے۔
دھن دھن ہو ہر زباں پر بولے ہر ایک جے جے۔
دیکھیں جمال اس کا یوں آئینے میں دل کے
بزمِ خیال کے ہوں پیشِ نگاہ جلوے
ہم اس کے روبرو ہوں وہ اپنے رُوبرو ہو۔
جو اپنی جستجو ہے وہ اُس کی جستجو ہو۔

یہ نظم ہے مرقع اُس شیام کے بھوَن کا
رنگیں ورق ہے ہر گل جس دفترِ چمن کا
جلوہ ہے ہر سخن میں اس حُسنِ ضوفگن کا
پروانہ دل ہے رونق جس شمعِ انجمن کا
نورِ نگاہ اپنا اس کو بنائیں گے ہم
آنکھوں میں خاکِ پا کا سرمہ لگائیں گے ہم

(اگست ۱۹۲۵ء)

قطعہ

اِک نے بیں بھر رہے ہیں وحدت کے سوترانے
مستِ صدائے دلکش ہر دل بنا ہُوا ہے
مشرق سے تا بہ مغرب ہے وجد میں زمانہ
بنسی کا کرشن تیری اعجاز ہی نیا ہے

بامِ رسالت

سرِ عرشِ بریں کیونکر نہ پایہ ہو نبوّت کا
فلک جب ایک زینہ ہے ترے بامِ رسالت کا
تِری ہر کارسازی ہے جہاں میں کھیل قدرت کا
تو ہے اِک رنگ نیرنگِ طلسمِ حسنِ فطرت کا
جہاں میں ہر طرف بجوا دیا ڈنکا حقیقت کا
چلا کر تو نے سکّہ اپنے احکامِ شریعت کا
کہیں دیکھا نہ ہو اس نے رخِ پُرنور حضرت کا
ذرا سا مُنہ نکل آیا ہے خورشیدِ قیامت کا
دلوں میں خلق کے بھر دی تجلّی نورِ عرفاں کی
دکھا کر آئینہ بزمِ جہاں میں حق کی صُورت کا
کہیں خضرِ طریقت منزلِ حق کا نہ کیوں تمکو
دکھایا راستہ دُنیا کو دُنیائے حقیقت کا
تجھے تصویر اپنے نور کی شاید بنایا ہے۔

تیری صورت میں نقشہ دیکھتا ہوں حق کی صورت کا
لقب کیونکر جہاں میں ہو نہ محبوبِ خدا تیرا
خدا خود جب بھرا کرتا ہے دم تیری محبت کا
شبِ معراج یُوں دم میں سرِ عرش بریں جانا۔
کرشمہ تھا اک ادنیٰ سا یہ تیرے پائے رفعت کا
خدا سے بخشوائے گا سرِ محشر کرم تیرا
گنہگارانِ اُمت کو بھروسہ ہے شفاعت کا
لگا دے راہ پر یثرب کی اپنے مستِ اُلفت کو
قدم بہکا ہُوا ہے تیرے مشتاقِ ریاضت کا
نہ تھا واقف طریقِ بندگی سے کوئی دنیا میں
سکھایا ہے چلن تو نے عبادت کا ریاضت کا
کِھلیں کیونکر نہ گُل توحید کے مضمون و معنی میں
میں ہُوں اک خوشہ چینِ رونق چمن زارِ حقیقت کا

رام بھگتی

تو ہی ہے نورِ حُسنِ لایزالی تو ہی ہے تابشِ برقِ جمالی
تو ہی ہے رنگِ تصویرِ خیالی بتاتی ہے تیری شانِ جلالی۔
تو ہی جلوہ گر کون و مکان ہے
تو ہی انوار بخش دو جہاں ہے
تو ہی برقِ تجلّی کی چمک ہے تو ہی گلشن میں پھولوں کی مہک ہے
تو ہی آتش میں شعلے کی لپک ہے تو ہی آنکھوں میں شکلِ مردمک ہے

تو ہی تو ضو فشاں ہے سب کے اندر
ہر اک شے ہے تیری قدرت کا منظر

تیری صورت کا ہر دل آشنا ہے — صفائے حسن نے بخشی ضیا ہے
نمایاں جلوۂ حیرت فزا ہے — جہاں محوِ تماشہ ہو رہا ہے

تو ہے رنگِ طلسمِ بزمِ عالم
تجھی سے ہے نظامِ دہر قائم

ہر اک سُو تو ضیا پاشِ جہاں ہے — زمیں روشن، منوّر آسماں ہے
کہیں پیدا کہیں جلوہ نہاں ہے — غرض ہر رنگ میں تو بیگاں ہے

تو ہی ہے غنچہ و گل میں شجر میں
تو ہی ہے کوہ و دشت و بحر و بر میں

تو ہی آواز ہے سازِ گلو میں — تو ہی نغمہ ہے لب پر گفتگو میں
تجھے پایا ہے چشمِ جستجو میں — ترے جلوے ہیں بزمِ آرزو میں

ترا در ہے پرستش گاہِ عالم
پئے سجدہ رہا کرتے ہیں سر خم

تو ہی اے رام ہے ہر دل کا پیارا — تو ہی اے رام ہے آنکھوں کا تارا
تو ہی اے رام ہے سب کا سہارا — تو ہی ہے بحرِ مقصد کا کنارا

تو ہی ہے کشتیِ اُمّیدِ عالم
تجھی سے ہے یہ سب تمہیدِ عالم

لیا دنیا میں جب اوتار تو نے — اُتارا پرتھوی کا بھار تو نے
شلا دیکھی جو گوتم نار تو نے — چرن رج سے کیا اودھار تو نے

بنا تھا بددعا سے جسم پتھر
عطا تو نے کیا پھر اصل پیکر

تجھی نے تاڑکا کا سر اُڑایا — تجھی نے ناش بالی کا ملایا

تجھی نے خاک پر کھر کو سُلایا تجھی نے دُشٹ راون کو مٹایا
کئے نابود دشمن ڈھائی لنکا۔
بجایا ہر طرف نصرت کا ڈنکا۔

رہا اُمڈا ہُوا دریا کرم کا بڑھایا ہر گدائے در کا رُتبا
ہُوا سگریو پر تو رحم فرما ببھیکشن کو کیا لنکا کا راجا
دیہیم و تاج و تخت و مال بخشا
جسے چاہا، اُسے اقبال بخشا

دکھا کر جلوۂ نیرنگِ قدرت کیا محوِ طلسم بزمِ حیرت
نظر کثرت میں آیا نورِ وحدت عیاں سب پر ہوا رازِ حقیقت
تجھی سے ہے ضیا بارئ عرفاں
تو ہی ہے روشنئ نورِ ایماں

تو قلبِ صاف میں نور اپنا بھر دے مجھے محوِ خیالِ حُسن کر دے
رہوں سرمست الفت وہ اثر دے تجھے دیکھا کروں ایسی نظر دے
نگاہوں میں پھرے تصویر تیری
حریم دل میں ہو تنویر تیری

تمنا ہے، کہ ہوں دن رات درشن رہوں چرنوں میں تیرے بنکے پچھن
نہ چھوٹے آرزو کا مجھ سے دامن تیری سیوا میں سب تن من ہو ارپن
اثر ہو یہ مرے رنگین سخن کا
رواں سکّہ ہو اُلفت کے چلن کا

بتا دے واقفِ حُسنِ معانی کھُلے دل پر ترا رازِ نہانی
زباں کو کر عطا رطب اللسانی رہے مدحت میں صرف نغمہ خوانی
دل روّنق میں بھر دے ایسی شکتی
زمانہ دیکھکر حیراں ہو بھگتی (اکتوبر ۱۹۲۷ء)

نورِ عرفاں

کیا تلاشِ یار ہر درماندہ دل مشکل میں ہے۔
پائمالِ جستجو ہے جو قدم منزل میں ہے۔

چشمِ مجنوں کے لئے تصویرِ لیلیٰ دل میں ہے۔
نورِ حسن اس کا نمایاں پردۂ محمل میں ہے۔

اپنی نظروں سے جو پنہاں پردۂ حائل میں ہے
ذکر اس کا ہر گھڑی لب پر، تصوّر دل میں ہے

دیکھتے ہیں ظاہر و باطن اُسی کو جلوہ گر،
آشکارا و نہاں وہ ہر بھری محفل میں ہے

منزلِ الفت میں پوچھیں کس سے راہیں عشق کی،
راہبر بھی آج اپنا کوچۂ قاتل میں ہے

ہے طلسمِ بزمِ عالم کی بس اتنی کائنات
جو تماشائے جہاں ہے آنکھ کے اِک تل میں ہے

کیا عجب گر اضطرابِ دل سے جل اُٹھے فلک
شعلۂ آتش نہاں آہِ دلِ بسمل میں ہے

کیوں نظر آئے نہ اس میں جلوۂ روئے بتاں
روشنئ داغِ دل چشمِ مہِ کامل میں ہے

اِک جہاں کی ڈھال لیتے ہیں گدائے میکدہ
مے ہزاروں رنگ کی اک کاسۂ سائل میں ہے

کیا نکلنا ہو رہِ آزادیٔ دشوار سے۔
جو قدم اپنا یہاں ہے پُرخطر منزل میں ہے

ہو نہیں سکتا کسی کے سامنے اظہارِ غم
وہ زباں پر آ نہیں سکتی جو حسرت دل میں ہے
دیکھنے میں اب ترے سوز و گدازِ عشق کو
شمعِ حسنِ یار کا پروانہ دل محفل میں ہے
موجِ بحرِ نا اُمیدی ہے کنارا مرگ کا
اِک جہاں ڈوبا ہُوا رونق لبِ ساحل میں ہے

جادۂ راحت کہاں، جو ہے کڑی منزل میں ہے
جس کو دیکھو، آج وہ دقت میں ہے مشکل میں ہے
اے کرشن آکر تو ہو جا پھر ضیا پاشِ جہاں،
انتظارِ جلوہ تیرا ہر بھری محفل میں ہے
پیکرِ انساں میں آ تو پھر پئے امدادِ خلق
ہے گرفتارِ بلا بھارت بڑی مشکل میں ہے
لہریں دریا کی نہیں ہیں شاہدِ رنگیں ادا۔
شور آمد کا تری موجِ لبِ ساحل میں ہے
روشنی حق دلوں سے ہو گئی کافور آج،
نورِ ایماں کی جھلک تاریکئ باطل میں ہے
ڈھونڈتی پھرتی ہے جلووں کو ترے چشمِ جہاں
ہو گئے شمعِ انجمن روپوش کیوں محفل میں ہے
جلوہ گر رہتا ہے دل میں کیوں نظر آتا نہیں،
تو عیاں ہو کر بھی ہم سے پردۂ حائل میں ہے
کور باطن تجھ کو کیا دیکھے گی چشمِ ہوشیار
جلوۂ حسنِ فروزاں دیدۂ غافل میں ہے

جستجوئے نقشِ پا سے گو مِلا دل خاک میں
جس کا حاصل تو ہے کیا وہ سعیٔ لاحاصل میں ہے
صدقہ رحمت کا بچالے قلزمِ آفت سے تو
ڈوبنے کو دھرم کی کشتی لبِ ساحل میں ہے
کر دیا عرش آشیاں رونق کو تیری یاد نے
گھر زمیں پر ہے مگر دل چرخ کی منزل میں ہے
(۶ اگست ۱۹۲۹ء)

پیاری بنسی

تیری سو راگ بھری بانس کی پوری دیکھی
کیا حقیقت کہیں کس رنگ کی کیسی دیکھی
مستِ حق کر دے جو آواز وہ نغمہ پایا
جس میں قدرت کے ترانے ہیں وہ بنسی دیکھی

راگ وحدت کا سناتی ہے سراسر مرلی
رکھتی ہے نغمۂ توحید کے جوہر مرلی
مدبھری اسکی صدا مست بنا دیتی ہے
گونجتی ہے تیری جب مرلی منوہر مرلی

یہ ہے اِک راز اِسے کیا کوئی جانے اے کرشن
سینکڑوں اسکے جہاں میں ہیں فسانے اے کرشن
عالمِ وجد میں بیہوش بنا دیتے ہیں
مست کن ہیں تیری بنسی کے ترانے اے کرشن

بانس کی پوری کی خالی بنسی
مدھ بھری ہے یہ نرالی بنسی
مست کر دیتے ہیں اِسکے نغمے
بنسی والے کی ہے عالی بنسی

یہ بھی عالم میں کوئی راز ہے قدرت کا تیری
اِسکا جو راگ ہے انداز ہے قدرت کا تیری

وجد کر جاتے ہیں مُردے لبِ عیسیٰ دم سے تیری بنسی بھی اک اعجاز ہے قدرت کا تیری

تیری وحدت کے ترانوں کا سبب بنسی ہے مست و بیخود کئے دیتی ہے غضب بنسی ہے
کھینچ لیتا ہے دل اہلِ جہاں جذبِ اثر سچ تو یہ ہے تیری گھنشام عجب بنسی ہے

یہ وہ بنسی ہے کہ جو آپ ہے اپنی تمثال وجد کر جائے اگر دیکھے کوئی رنگِ مقال
سبق آموز ہیں اے کرشن ترانے اسکے نغمہ ہے بانس کی پوری کا تیری عین کمال

ہے عجب راج دولاری بنسی رکھتی ہے نغمۂ باری بنسی
راگ ہیں اسکے سہانے رونق کرشن پیارے کی ہے پیاری بنسی

گئو رکھشا

دھرم پر ہونے کو قربان بیقراری چاہئے
ہو اگر شیدائے مذہب جاں نثاری چاہئے
بہرِ پابندئ وضع، وضعداری چاہئے
اپنے وید و شاستر کی پاسداری چاہئے
روزِ روشن اس سے ہے رازِ طلسمِ کائنات
عکسِ حُسنِ ذات ہے آئینۂ بزمِ صفات
اس کے جلووں میں نظر آتا ہے جلوہ رام کا
دیکھتے ہیں اس میں رنگ حیرت افزا رام کا
ہے اسی سے ہر طرف بھارت میں چرچا رام کا

سب کے ہے پیشِ نظر حُسن تماشا رام کا
جاگتی اک جوگ ہے تصویر دھرم و کرم کی
نور ریز خلق ہے تنویر دھرم و کرم کی

ہے اسی سے ہمکو حاصل گئو رکھشا کا سبق،
یعنی آساں ہے اس کا درسِ مضمونِ اَدَق،
دم کے دم میں سب اُلٹ جاتے ہیں گردوں کے طبق،
جب کتابِ دل کا اپنی کھول دیتے ہیں ورق،
یہ اثر ہے دھرم کے حُسن کرشمہ ساز کا
اک نیا اعجاز ہے ان کے ہراک انداز کا

ہے یہی تعلیم اِس کی گئو رکھشا کیجئے،
تن سے من سے دھن سے سب سے اس کی سیوا کیجئے،
دھرم کی ماتا ہے یہ، دیوی ہے، پوجا کیجئے
ایشور کا دھیان دھریئے۔ اسکو دیکھا کیجئے
اِس کی سیوا ہے جہاں میں اپنی مکتی کا سبب
ہے یہی گوپال کی اِک سچّی بھگتی کا سبب

اب میسّر زندگی کا ہمکو وہ ساماں کہاں
رات دن رہتی تھیں گھی اور دودھ کی نہریں رواں
پاگیا جن کی بدولت پرورش سارا جہاں
ہے خیال و خواب میں بھی اب وہ نظروں سے نہاں
اب وہ رنگ عیش و راحت ہے نہ وہ سامان ہے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں جس پانی کو وہ طوفان ہے

چاہتے ہو لہلہائے گر مرادوں کا چمن
چاہتے ہو گر پھلے پھولے ہمارا سنگھٹن

چاہتے ہو دیکھنی گر شکلِ بہبود وطن !
قوم کو اپنی سکھا دو گئو رکھشا کے چلن !
بھگت پورن ہو اگر سچے کرشن و رام کے
سکے ہر دل پر بٹھا دو آج اپنے نام کے
ساتھ ہی اس کے دھرو کچھ مندروں پر بھی دھیان
ہو رہے ہیں وہ شکارِ دورِ گردوں بے گمان
کچھ بھی ہے ست دھرم کا دل میں اگر اپنے گیان
مرٹو خود دھرم کا مٹنے نہ دو اپنے نشان
بزم عالم میں جلا دو مشعلِ ایمان کو
اس کے نورِ حسن پر قربان کر دو جان کو
ہو اناتھوں پر دیا بیوؤں کا بیڑا پار ہو
ساتھ ہی سارے اچھوتوں کا بھی اب ادھار ہو
گوشہ گوشہ میں جہاں کے ودیا پرچار ہو
جو منش بھارت میں ہو، وہ دھرم کا اوتار ہو
بات رونق کی سنو، گر دھرم کا کچھ دھیان ہے
خلق میں عزت سے رہنے کا یہی سامان ہے

گورو گوبند سنگھ

مشعلِ بزمِ حقیقت تھے گورو گوبند سنگھ
مظہر انوار قدرت تھے گورو گوبند سنگھ
ماہرِ شانِ جلالت تھے گورو گوبند سنگھ

واقفِ اسرارِ فطرت تھے گورو گوبند سنگھ
خالصہ کے واسطے تھے وہ چراغِ معرفت
بھر گئے ہر ایک دل میں جلوۂ وحدانیت

تھی زمانہ میں عجب شانِ فضیلت آپ کی،
قابلِ صد فخر تھی دُنیا میں شہرت آپ کی،
شوکتِ انسان سے بڑھ کر تھی شوکت آپ کی،
واجب التعظیم تھی ہر دل میں عظمت آپ کی،
کیوں نہ گھر گھر ملک میں ہو آج چرچا آپ کا
بج رہا ہے عرش سے تا فرش ڈنکا آپ کا

آپ آئے تھے جہاں میں خالصہ اودھار کو
داروئے دردِ دلِ محزوں تھے ہر بیمار کو
ساغرِ حسنِ عقیدت دے کے ہر میخوار کو
کر دیا مست مئے توحید ہر سردار کو
کر گئے وہ آشنائے معنیٔ سری واہگورو
جس کی قوم خالصہ کو ہر گھڑی تھی جستجو

آپ سے روشن جہاں میں ہے چراغِ خالصہ
آئینۂ بزمِ تحیّر کا ہے باغِ خالصہ
بادۂ اُمیّد سے پُر ہے ایاغِ خالصہ
عرش پر پہنچا ہے مستی سے دماغِ خالصہ
آ گئی ہے ہاتھ اپنے منزلِ صدق و صفا
کیوں نہ ہو رونقؔ مبارک یہ جنم دن آپکا

شری مہاراج مہاویر سوامی

کس کا وجود مظہرِ ذاتِ خدا ہُوا وہ کون پیشوا وحقیقت نما ہُوا
کس میں تھا رنگِ کشف و کرامت بھرا ہُوا اوصاف باطنی سے تھا کامل بنا ہُوا
کس نے دیا تھا آ کے اہنسا کا یہ سبق
رنگیں کتابِ دل کا ہے جس سے ورق ورق

جب سے ہُوا ہے ویر مہاویر کا جنم کھائے ہُوئے ہے ہنسا کی ہر اک یہاں قسم
قائم اسی کی ذات سے ہے جین کا دھرم گنڈل اسی کے دم سے بنا غیرتِ ارم
تھا حق شناس رنگِ حقیقت جما گیا
آئینہ گیان دھیان کا سب کو دکھا گیا

وہ روشنئ شمعِ ہدایت تھا دہر میں وہ جلوہ زیبِ حسن لطافت تھا دہر میں
وہ آفتابِ برجِ کرامت تھا دہر میں وہ نور پاشِ رنگِ حقیقت تھا دہر میں
چمکی ہُوئی تھی برق سرِ طُورِ معرفت
پیدا ضیائے رُخ سے تھا اک نورِ معرفت

ظلمت جو پاپ کی تھی وہ دم میں مٹا گیا پردہ جہالتوں کا دلوں سے اُٹھا گیا
سرچشمۂ حیات تھا امرت لُٹا گیا گھر گھر میں دھرم کرم کا سکہ بٹھا گیا
ہر دل میں بھر گیا مئے وحدت کی مستیاں
لائی ہُوئی ہیں رنگ حقیقت پرستیاں

اک شان بے نیازی تھی جلوہ نمائیاں قدرت کا سب پہ ہو گیا رازِ نہاں عیاں
دراس کے دم سے کھُل گیا ترہ انگ یہاں بیکنٹھ کا زمین وطن پر ہُوا گماں
پیدا لباسِ فقر میں جب گیان ہو گیا

ویراگ ہاتھ آتے ہی بھگوان ہو گیا

ہر لوحِ دل پہ نقش وہ تصویر ہو گئی نورِ نگاہ حسن کی تنویر ہو گئی
خاکِ قدومِ پاک بھی اکسیر ہو گئی چشمِ جہاں کو سرمۂ تسخیر ہو گئی

علم و عمل سے دہر کا روشن چراغ ہے
ہر دل سرورِ پاک سے مستِ ایاغ ہے

دھرم آتما تھا ویر تھا سوامی تھا نیک تھا فردِ زمانہ نام کا اپنے وہ ایک تھا
رکھنے کو آیا دھرم اہنسا کی ٹیک تھا صد قابلِ قبول عمل اسکا لیک تھا

پیدا ہُوا تھا دھرم کی رکھشا کے واسطے
آیا تھا وہ جہان میں سکشا کے واسطے

تھا تیرتھ "انکر"[1] آیا تھا اُپدیش کے لئے پیغامِ حق کے واسطے سندیش کے لئے
کچھ شاہ کے لئے تھا نہ درویش کے لئے تھی ذات صرف پند بد اندیش کے لئے

آدرشں سب کو صدق و صفا کا سُنا گیا
گمراہوں کو وہ راہ پہ رونق لگا گیا

مہرشی دیانند

کاشفِ اسرارِ حق، اے واقفِ رازِ نہاں
مظہرِ انوارِ توحید و صداقت کے نشاں
اے چمن آرائے وحدت معرفت کے باغباں
باعثِ درسِ حقیقت تھیں تری گل چینیاں

حق تو یہ ہے حق پرستی کا دکھا کر آئینا
محوِ صد حیرت زمانہ بھر کو تو نے کر دیا

[1] سچے استھانوں یعنی تیرتھوں کا بتانے والا۔

تو وہ ہے تو نے مٹایا جہل کا نام ونشاں
تو وہ ہے گاڑا ہے تو نے ادم کا جھنڈا یہاں
تو وہ ہے علم وعمل سے کر دیا روشن جہاں
نور ایماں بن کے چمکیں کفر کی تاریکیاں
ہوگیا ہر دل منور دھرم کے پرچار سے
روشنی عرفاں کی پھیلی وید کے انوار سے

تو وہ ہے تو نے دکھائی منزل صدق وصفا
تو وہ ہے تھا رہنما گم کردگانِ راہ کا
تو وہ ہے جس نے بتایا جادۂ حق کا پتا
تو وہ ہے کہتے ہیں جس کو مہرشی دھرماتما
تو وہ ہے جس نے عیاں کی دین حق کی ماہیت
تو وہ ہے جس نے چلایا سکۂ وحدانیت

تو وہ ہے بنیاد ہیں جس کی یہ شدھی سنگھٹن
تو وہ ہے جس نے لگایا اپنے ہاتھوں یہ چمن
تو وہ ہے شمعِ ہدایت روشنیٔ انجمن
شعلۂ حسنِ عمل ہے تیرا ہر جا ضوفگن
تو وہ ہے جلتے ہیں تیرے نام پر گھی کے چراغ
رونقِ بزمِ جہاں تھا تو یہاں روشن دماغ

ویر ویراگی

شجاعت کے لئے رن میں تھا جوہر ویر ویراگی
جہاں میں تھا عجب مرد دلاور ویر ویراگی

کرامت دیکھئے اس کی بٹھا کر دھرم کا سکہ
دلوں میں دشمنوں کے کر گیا گھر ویر ویراگی
کرامت دیکھئے اس کی بٹھا کر دھرم کا سکہ
دلوں میں دشمنوں کے کر گیا گھر ویر ویراگی

نمایاں کر گیا عالم پہ رنگِ حسن یکتائی
چمن زارِ حقیقت کا گُلِ تر ویر ویراگی

کوئی اعجاز تھا ویراگ اس کا یا کرشمہ تھا
تسلط کر گیا اپنا جہاں پر ویر ویراگی

یہی اِک ناخُدا تھا دھرم کی کشتی کا دنیا میں
محیطِ بحرِ عالم کا شناور ویر ویراگی

پیا جامِ شہادت تشنہ کامِ آرزو ہو کر
کہ امرت جانتا تھا آبِ خنجر ویر ویراگی

مٹایا ظلمتِ باطل کو نورِ حق سے اے رونق
کہ دھرم اوتار تھا گویا سراسر ویر ویراگی

(مئی ۱۹۲۹ء)

سوامی شردھانند جی

(بر موقعہ وفات)

وہ رہنمائے مذہب و ملت کدھر گیا وہ پیشوا و خضر طریقت کدھر گیا
وہ آفتاب برُجِ شرافت کدھر گیا وہ روشنیٔ طبع ہدایت کدھر گیا

جو جلوہ ریز نورِ صداقت تھا قوم میں
جو آشنائے رمزِ حقیقت تھا قوم میں

وہ جاں نثارِ قوم نہیں آج قوم میں، وہ افتخارِ قوم نہیں آج قوم میں
وہ ذی وقارِ قوم نہیں آج قوم میں، وہ نامدارِ قوم نہیں آج قوم میں
ہو کر شہید زندۂ جاوید ہو گیا۔
مرنا یہ اس کا اسکے لئے عید ہو گیا۔

دریائے حُبِّ قوم رہا دل میں موجزن بھولا نہ جیتے جی وہ کبھی اُلفتِ وطن
شاداب اسکے دم سے ہے یہ قوم کا چمن ہے اُسکی یادگارِ جہاں شدھی سنگھٹن
پیدا ہُوا تھا ویدوں کی تعلیم کے لئے
قربان جان کر گیا تنظیم کے لئے

سینچا ہُوا اسی کے لہُو کا ہے یہ چمن اِس بزمِ قوم کا تھا وہی شمعِ انجمن
دل میں بھرا تھا جلوۂ جانسوزیٔ وطن بھڑکا ہُوا تھا آتشِ اُلفت سے تن بدن
وہ مِٹ گیا، مِٹے گی نہ شدھی جہان سے
ہوگی ترقیوں پہ نئی آن بان سے

اودھار بھی اچھوتوں کا مدِّ نظر رہا مصروفِ کارِ دھرم میں آٹھوں پہر رہا
کی اس نے دل سے خدمتِ قومی جدھر رہا چھایا ہُوا زمانے پہ رنگ اثر رہا۔
اِس آہوتی میں یگیہ کی بلیدان دے گیا
سیوا میں ملک و قوم کی وہ جان دے گیا

اُس کے ہی ہاتھ سے ہُوئی ایجادِ گورو کل ڈالی تھی اپنے ہاتھوں سے بنیادِ گورو کل
وقفِ عمل رہا پئے امدادِ گورو کل چاہی کبھی کسی سے نہیں دادِ گورو کل
کھولیں وہ درسگاہیں کہ امرت لُٹا دیا
تعلیمِ علمِ وید کا دریا بہا دیا

تھا سوامی شردھانند وہ شیرِ ژیانِ قوم جھکتے تھے جس کے آگے سرِ دشمنانِ قوم
آوازِ ملک و قوم تھی اسکا بیانِ قوم رکھتا تھا اپنے مُنہ میں وہ گویا زبانِ قوم
گم کردگانِ راہ کو رستہ بتا دیا

آئینۂ مراد کا جلوہ دکھا گیا۔

سب مشکلات کیلئے سینہ سپر تھا وہ ڈرتا نہ تھا کسی سے نڈر اس قدر تھا وہ
حق گو تھا، حق شناس وحقیقت نگر تھا وہ قلبِ صفا پہ آنکھ تھی اہلِ نظر تھا وہ
تھا حق پرست حق کے لئے جان دے گیا
ہر نیک و بد کی قوم کو پہچان دے گیا
جو خفتگانِ بخت تھے ان کو جگا گیا اعجازِ مرگ اپنا جہاں کو دکھا گیا
اُلفت کا اپنی چرخ پہ سکہ جما گیا معراج ہاتھ آئی شہادت جو پا گیا
رتبہ بڑھا یہ قتل سے توقیر ہو گئی
قبضہ میں اسکے خلد کی جاگیر ہو گئی
ہو کر شہید سایۂ رحمت میں آ گیا حق بینیوں سے حق کی عبادت میں آ گیا
دُنیائے دوں سے منزلِ راحت میں آ گیا باغِ جہاں سے گلشنِ جنت میں آ گیا
حاصل ہوئی بہارِ گلِ عیشِ جاوداں
رونق وہ شانتی سے کریگا بسر وہاں

مناظرِ فطرت

نمودِ سحر

(یہ نظم رونق صاحب نے وفات سے چند روز پیشتر ہی لکھی تھی اور غالباً اُن کی زندگی کی آخری نظم ہے)

زیرِ دامانِ فلک ہے جلوۂ نورِ سحر
مِل رہی ہے آمدِ خورشیدِ خاور کی خبر
رُوئے شب پر تھا جو غازہ ہو رہا ہے منتشر
اب کہاں تاروں کی وہ افشاں جبینِ چرخ پر
ہو گئی کافور دم میں زینتِ شبہائے تار
کرمکِ شب تاب کا جاتا رہا سارا خمار

ماہ و انجم کی فلک پر اب درخشانی نہیں
بزم افروزِ جہاں شمعِ شبستانی نہیں
حُسن کے جلووں کی ظلمت میں فراوانی نہیں
پردۂ شب میں جو تھی وہ نور افشانی نہیں
کچھ طلوعِ صبح نے بدلا وہ رنگِ کائنات
بزمِ شب کی خود بخود گُل ہو گئی شمعِ حیات

ہو گیا رنگِ شعاعِ مہر سے روشن جہاں
ہے طلائی جدولوں[1] سے اب سُنہری آسماں
ہر در و دیوار پر ہے شاہِ خاور ضو فشاں

[1] سطر

صبحدم گردش میں آیا جامِ زریں پھر یہاں
اب سپیدئ سحر سے ہے وہ عالمِ نور کا
ہر طرف جلوہ نظر آتا ہے برقِ طور کا

عکسِ رخ سے ذرہ ذرہ کو منوّر کر دیا
بھر گئی ہر شے میں نورِ لایزالی کی ضیاء
ہو گیا ہے سمتِ مشرق سے درِ توحید وا
مِل رہا ہے جس سے شانِ حسنِ فطرت کا پتا
شاہدِ معنی کی ہر سُو پھر ہُوئی جلوہ گری۔
گلشنِ ایجاد پر چھایا ہے رنگِ خاوری۔

خوابِ غفلت میں جہاں کے آگئیں بیداریاں
سبزۂ خوابیدہ نے گلشن میں لیں انگڑائیاں
ہے زبانِ غنچۂ و گُل حمد میں رطب اللساں
شکرِ حق میں سربسجدہ ہیں چمن میں ڈالیاں
چہچہے زن ہو رہے ہیں طوطیانِ خوشنوا
آرہی ہے نغمۂ وحدت کی کانوں میں صدا

چل رہی ہے کچھ عجب انداز سے بادِ صبا
رُوح پرور ہے ہر اک جھونکا نسیمِ عیش کا
نزہتوں سے زینتِ گل کا ہے کچھ عالم نیا
ہے فضائے باغ عالم منظرِ حیرت فزا
رنگ لایا جلوۂ آئینۂ صبحِ بہار
فطرتِ ہستئ انساں کا چمک اُٹھا غبار

شورِ ناقوس و اذاں سے ہے جہاں گونجا ہُوا
آرہی ہے کچھ صدائے نغمۂ عرفاں فزا!

ہو رہی ہے مندر و مسجد میں اب یادِ خدا
ذکرِ خالق کا ہے ہر لب پر ترانہ جا بجا
سازِ ہستی میں ہیں پیدا زمزمے توحید کے
کھُل رہے ہیں باب انساں کے لئے اُمید کے

ہے اِسی پر خلق کا دار و مدار و کاروبار
بھُول جاتا ہے وہ شب کے خواب غفلت کا خمار
جلوۂ خورشید کر دیتا ہے اس کو ہوشیار
صبحدم ہوتی ہے نازل رحمتِ پروردگار
برکتیں حق کی ہیں وابستہ ظہورِ صبح سے
دامنِ اُمید بھر جاتا ہے نورِ صبح سے

دَورِ گردوں ہے حریفِ زندگیٔ بے ثبات
جلوہ ہائے زیست رہتے ہیں یہاں بس ایک رات
کروٹیں لیتا ہے رونق جب نظامِ کائنات
ٹوٹ جاتا ہے طلسمِ استواریٔ حیات
دمبدم ہے جلوۂ شام و سحر سے یہ عیاں
دیدنی اک خواب ہیں دنیا کی بزم آرائیاں

چندربھاگا

(ریاست جھالاواڑ کی ایک ندی)

تھم کے چلنا ناز سے پھر جوش میں آنا تِرا
معجزہ آبِ رواں کا ہے یہ اِٹھلانا تِرا

کیا ادا ہے یوں لبِ ساحل سے ٹکرانا ترا
ہے یہ رودِ چندر بھاگا، خوب اِترانا ترا
راحت افزا یہ روانی لطف کی یہ تیزیاں
ہے تماشہ منظرِ حق کا تلاطم خیزیاں

شکل قدرت نے بنائی ہے وہ نورانی تری
ہر دمہ دن رات کرتے ہیں نگہبانی تری
بھر گئی ہے چشمِ آئینہ میں حیرانی تری
مردمِ دیدہ کرے کیونکر نہ دربانی تری

اے ندی تو حسن کی دیوی ہے جھالاواڑ میں
پوجتے رہتے ہیں تجھکو سب بتوں کی آڑ میں

چھینے لیتی ہے دلوں کو جنبشِ آبِ رواں
صورتِ اندازِ معشوقانہ ہیں اٹکھیلیاں
گوشۂ دامن پہ تیرے کھیلتی ہیں شوخیاں
ہے اسی باعث لقب شاید ترا جانِ جہاں

ملکوں ملکوں سے صفائے حسن کا سن سن کے حال
دیکھنے آتے ہیں تجھکو تیرے مشتاقِ جمال

اے ندی تقدیس میں وہ پاک صورت ہے تری
پاک ہر ناپاک کو کر دینا خصلت ہے تری
آبِ زمزم میں کہاں وہ جو لطافت ہے تری
مات ہو امرت بھی جس سے وہ حلاوت ہے تری

تو یہاں کے واسطے ہے ہمسرِ گنگ و جمن
ہیں وہی لہریں وہی موجیں وہی تیرا چلن
یادگارِ دہر ہے اِک اِک ترا حرفِ کتاب

ختم ہو سکتا نہیں رعنائیوں کا تیری یا ب
یہ ادا یہ چلبلاہٹ یہ تڑپ یہ اضطراب
گذریں صدیاں ہے ابھی باقی وہی جوشِ شباب
شیفتہ مخلوق رہتی ہے ترے اس ٹھاٹ پر
ایک میلا سا لگا رہتا ہے ہر دم گھاٹ پر

دیکھتا ہے جو منادر تیرے وہ حیران ہے۔
قدرت حق ہوئیاں جس سے وہ تیری شان ہے۔
یاتریوں کا جہاں میں دین ہے ایمان ہے۔
سرزمیں ہے وہ تیری اُترا ہُوا بھگوان ہے۔
مورتیوں سے لب جو ہے اُجالا دھرم کا
ہو رہا ہے ہر طرف اک بول بالا دھرم کا

گوشۂ راحت ہے بہرِ خلق تنہائی تیری
زینتِ خاکِ وطن ہے شان زیبائی تیری
دیکھ کر رنگِ شباب وحسن و رعنائی تیری
اِک خدائی ہو رہی ہے دل سے شیدائی تیری
لوٹ ہو جائے عقیدت جس پہ وہ جوہر ہے تو
قدرتِ حق کا جہاں میں ایک خوش منظر ہے تو

تیرے پہلو میں کچھ ایسے ہیں منادر شاندار
جن کی صناعی پہ ہے خود صانع قدرت نثار
یادگاران سلف کی ہیں مبارک یادگار
اُن کی بنیادیں رہیں گی تا قیامت برقرار
یہ وہ ہیں چلتا ہے جن سے تیری عظمت کا پتا
نقش فریادی ہے جن کا نقشۂ حیرت فزا

بہارِ بسنت

خزاں کے دن گئے دورِ بہار آیا ہے — لگا کے طرۂ گل شہریار آیا ہے
چمن میں کوئی نیا تاجدار آیا ہے — لٹانے ابرِ دُرِ آبدار آیا ہے

بھرا ہوا زرِ خالص سے دور دامن ہے
اثر سے موسمِ گل کے نہال گلشن ہے

نسیم صبح کے جھونکے وہ فرحت آگیں ہیں — کہ جن کے فیض سے سب برگ و بار رنگیں ہیں
سنہری جھرے قبائیں گلوں کی زریں ہیں — وہ شانِ حسن، فدا جس پہ ماہ و پرویں ہیں

یہ رنگ لائی ہے نشو و نمائی گلشن
بنا ہوا ہے ہر اک دانہ زمیں خرمن

فروغِ آتشِ گل سے چمن ہے نورانی — ہوئی ہے حسنِ فروزاں کی پھر فراوانی
ملی ہے سبزۂ نورستہ کو قبا دھانی — بہارِ تازہ کی ہر سمت ہے زر افشانی

بچھی ہوئی ہے زمیں پر جو نور کی چادر
ضیا فروز ہے ضو پاشیٔ شہِ خاور

لباسِ زرد ہے پہنے ہوئے ہر ایک شجر — جدھر بھی دیکھو اُدھر اک طلائی ہے منظر
چمک رہے ہیں جو یہ صورتِ مہ و اختر — گلوں میں بھر دیئے شبنم نے دانہ گوہر

نہیں ہیں پھول چمن میں یہ ماہ پارے ہیں
جبینِ چرخ سے اترے ہوئے ستارے ہیں

بنا ہوا ہے عجب کشتِ زعفراں گلشن — شعاعِ مہر سے زریں گلوں کا ہے دامن
بہارِ تازہ نرالی دکھا رہی ہے چمن — نسیمِ روح فزا کا نیا ہے آج چلن

چمن میں بادِ بہاری کی ہے عملداری
برنگِ تختِ الماس ہے ہر اک کیاری

انوکھی شان سے آئی ہے پھر بہارِ بسنت　　کھلا ہُوا ہے ہر اک سمت لالہ زارِ بسنت
عجب ہے کیف فزا رنگ خوشگوارِ بسنت　　دلِ جہاں پہ ہے چھایا ہُوا خمارِ بسنت

بھرے ہُوئے ہیں مئے انبساط کے جلوے
ہم اس میں دیکھیں گے رونق نشاط کے جلوے

تحفۂ بسنت

یہ فیضِ بادِ بہاری کا ہے اثر شاید　　بدل رہی ہے جو کروٹ ہوا زمانہ کی
شمیم عطر فشاں سے جہاں معطر ہے　　بنی ہے بُوئے معنبر فضا زمانہ کی
زبانِ غنچہ پہ نغمے ہیں سازِ فطرت کے　　صدائے خندۂ گُل ہے صدا زمانہ کی
بنا ہے منظرِ حیرت طلسمِ باغِ جہاں　　عجب ہے رنگ تماشا فضا زمانہ کی
گلوں کی شوخیاں گلشن میں رنگ لائی ہیں　　دکھا رہی ہے ادائیں اب زمانہ کی
گیا وہ دورِ الم عشرتوں کے دن آئے　　ہوا اب اَور ہے نام خدا زمانہ کی
لئے ہوئے ہیں جو پہلو میں اپنے خار کو گُل　　دکھا رہے ہیں یہ شانِ وفا زمانہ کی
ہر ایک گُل ہے اک آئینہ طلسم جہاں　　حقیقت اس میں ہے اک رونما زمانہ کی
کھلے ہوئے ہیں گُل اتحادِ عالم میں　　نسیم باغ ہے راحت فزا زمانہ کی

بسنت رُت کا عجب خوشگوار منظر ہے
نظر نظر میں بھری ہے فضا زمانہ کی
بہارِ گلشنِ عالم نہ لُوٹیں کیوں رونق
کہ ان دنوں ہے فضا دلکشا زمانہ کی

نغمۂ بسنت

پھر درخشاں ہو گیا خورشید تابانِ بسنت
جلوہ ریزِ گلشنِ عالم ہے سامانِ بسنت

جائے خامہ لے کے گردوں سے شعاعِ آفتاب
صفحۂ قرطاس پر لکھا ہے عنوانِ بسنت

ہے بہارِ باغِ عالم کا ہر اک گل آئینہ
حیرت افزائے نظر ہو کیوں نہ سامانِ بسنت

عکس روئے زرد سے عالم سنہری ہو گیا
ضو فگن ہے ہر طرف خورشید تابانِ بسنت

آجکل گھر گھر عمل ہے اشرفی کے پھول کا
سکّہ زر کا دکھاتی ہے چلن شانِ بسنت

نو بہارِ فصلِ گل کا ہے اثر جیران دنوں
زرکشِ گلزارِ جنّت ہے خیابانِ بسنت

دیکھ کر ہر غنچۂ و گل کو ترنم سازِ عیش
نظم پیرا ہو رہے ہیں بذلہ سنجانِ بسنت

کچھ نرالا رنگ ہیں لاتے ہوئے ٹیسو کے پھول
ہولیاں کھیلیں گے شاید نوجوانانِ بسنت

گر نہیں ملتی ہے یرقاں ہیں شراب ارغواں،
گھول کر پیتے ہیں ہلدی میگسارانِ بسنت

شعلۂ گل بن گئے ہیں شمعِ افروزِ جہاں
آرہا ہے ہر طرف لطفِ چراغانِ بسنت

کھینچ دو رونق وہ اب تصویرِ دورِ روزگار
شان سے پیدا ہو جس کے آور ہی شانِ بسنت
(فروری سنہ ۱۹۲۹ء)

ترانۂ بسنت

عجب انداز سے یہ رُت بسنتی اب کے آئی ہے
کہ پیدا ہر گُل و غنچہ سے شانِ دلربائی ہے
ہوائے مے پرستی فصلِ گل میں رنگ لائی ہے
چمن میں جس طرف دیکھو گھٹا مستی کی چھائی ہے
بہارِ باغ نے ہر سمت وہ سرسوں کھلائی ہے
رُخِ خورشید پر چھوئی ہوئی جس سے ہوائی ہے
چمن میں رنگ لائی پھر تبسم ریزیٔ غنچہ
بہارِ تازہ تر نے پھر کلی دل کی کھلائی ہے
بھرا ہے وہ سرودِ بے خودی بلبل کے نغموں میں
جسے دیکھو چمن میں مستِ کیفِ خوشنوائی ہے
صدائے خندۂ گُل سے نہ گونجے کیوں چمن سارا
ہوائے خوش نے شہنائی مسرت کی بجائی ہے
بنی ہے چاندنی کا کھیت، کشتِ سبزۂ گُلشن
شبِ مہتاب گردوں نے کہیں چادر بچھائی ہے
لباسِ زرد میں ہیں سبزہ رنگانِ چمن سارے
بہارِ تازہ پوشاکِ بسنتی ساتھ لائی ہے
بنا ہے چمپئی رنگت سے کشتِ زعفرانِ گُلشن

عجب قدرت نے دستِ گل میں یہ سرسوں جمائی ہے
دکھائے گی بہار باغ پھر آئینہ حیرت کا
لباسِ غنچہ میں پھر حسن کی جلوہ نمائی ہے
نمایاں گر نہیں ہر شے میں وہ حسنِ ازل رونق
یہ کس کی محفلِ امکاں میں پھر جلوہ نمائی ہے

ابرِ بہار

چھا رہی ہے مستیٔ میخانہ ابرِ بہار
چرخ پر گردش میں ہے پیمانۂ ابرِ بہار
دیکھکر رنگِ درِ میخانۂ ابرِ بہار
کاسۂ گردوں بنا پیمانۂ ابرِ بہار
اُف رے رنگِ گردشِ پیمانہ ابرِ بہار
پھر رہے ہیں جھومتے مستانۂ ابرِ بہار
راحت افزا کیوں نہ ہوں جھونکے نسیم عیش کے
بن رہا ہے ہر چمن کاشانۂ ابرِ بہار
قطرۂ باراں کی رنگینیٔ گلزارانہ ہے
پھوٹ نکلا ہے زمیں سے دانۂ ابرِ بہار
کیوں نہ ٹپکے ہر طرف گردوں سے اب رنگِ نشاط
پُر مئے عشرت سے ہے پیمانہ ابرِ بہار
بالِ سنبل کے سنواریگی نسیم جاں فزا
دستِ مشاطہ میں ہے اب شانۂ ابرِ بہار

قصّہ خوانِ فصلِ گُل ہیں نغمہ سنجانِ چمن
بن رہے ہیں بہیپہے افسانۂ ابرِ بہار
جان دے دیتے ہیں شمعِ بزم پر برسات میں
ہیں یہ سب مور و ملخ پروانۂ ابرِ بہار
مستیِ عشرت نہ برسے کیوں جہاں میں ہر طرف
آبِ رحمت ہے مئے میخانۂ ابرِ بہار
کیوں نہ اترائے لباسِ نو پہ ہر گُل باغ میں،
زیبِ تن ہے خلعتِ شاہانۂ ابرِ بہار
جوششِ فصلِ بہاری نے دکھایا یہ اثر
بن گیا ہے ہر بشر دیوانۂ ابرِ بہار
دیکھکر گلزار میں رنگِ ہوائے کیف زا
غنچۂ و گل بن گئے پیمانۂ ابرِ بہار
ہے مزیّن قطرۂ باراں سے ہر برگِ چمن
زینتِ اشجار ہیں دُردانۂ ابرِ بہار
آبشاروں سے اُبلتی ہے مئے راحت فزا
چشمۂ کہسار ہیں پیمانۂ ابرِ بہار
جھومتے ہیں کیفِ مستی سے نہالانِ چمن
پی گئے ہیں کیا مئے میخانۂ ابرِ بہار
کہہ رہی ہیں یہ بساطِ دہر کی گلکاریاں
ہو نہیں سکتا ادا شکرانۂ ابرِ بہار
ہر ترانہ بن گیا ہے داستانِ فصلِ گُل
بلبلوں کے لب پہ ہے افسانۂ ابرِ بہار
کر رہی ہے مست عالم کو جو بُوئے عطر بیز

ہے گلوں کے ہاتھ میں پیمانۂ ابرِ بہار

دوڑتے پھرتے ہیں گردوں پر جو بادل ہر طرف
ہے صبا کے دوش پر میخانۂ ابرِ بہار

ہے تمنائی زمانہ اس کے فیضِ عام کا
ہو نہیں سکتا کوئی بیگانۂ ابرِ بہار

آتشِ گل ہے چمن میں شمعِ افروزِ فضا
کیوں فدا اس پر نہ ہوں پروانۂ ابرِ بہار

لگ رہی ہے اک سبیلِ آبِ کوثر ہر طرف
ہے یہ فیضِ ساقیِ میخانۂ ابرِ بہار

رہتے ہیں لبریزِ مستی موسمِ برسات میں
دیدہ و دل ہیں مرے پیمانۂ ابرِ بہار

کھنچ رہے ہیں زاہدانِ خشک بھی رونق ادھر
اُف رے رنگِ محفلِ رندانۂ ابرِ بہار

(اگست ۱۹۳۲ء)

ترانۂ بہار

لایا ہُوا ہے رنگ زمانہ بہار کا
سنتے ہیں ہر زباں سے ترانہ بہار کا

خندہ لبی ہے گل کی ترانہ بہار کا
تحریر ہر ورق ہے فسانہ بہار کا

جنبش میں آرہی ہے جو موجِ نسیم آج
کروٹ بدل رہا ہے زمانہ بہار کا

بکھرے ہُوئے سنواریگی گیسو چمن میں آج
سنبل کے ہاتھ آیا ہے شانہ بہار کا

ہے عکسِ رُوئے گل سے ستور شجر شجر
گلشن بنا ہے آئینہ خانہ بہار کا

غنچوں سے کیوں نہ بارش زر ہو چمن چمن
رکھتے ہیں مٹھیوں میں خزانہ بہار کا

کرتے ہیں مست چہچہے مرغانِ باغ کے — دل وجد میں ہیں سُن کے ترانہ بہار کا

ہر تختۂ چمن پہ نگس رواں ہے بُوئے گُل — اللہ رے یہ رنگ شہانہ بہار کا

ہیں برگ و بار معدنِ گوہر بنے ہُوئے — شبنم لُٹا رہی ہے خزانہ بہار کا

ہر لب پہ کیوں بیانِ فضائے چمن نہ ہو — آمد بہار کی ہے فسانہ بہار کا

پھر فصلِ گُل اب آئی چہک عندلیبِ دل — ہاں پھر سنا دے کوئی ترانہ بہار کا

اِک زعفران زار ہے ہر سُو کھِلا ہُوا — ہے موسمِ بسنت زمانہ بہار کا

ہر شاخِ نخلِ گُل زرِ غنچہ سے ہے نہال — گلشن میں لٹ رہا ہے خزانہ بہار کا

ہے گلشنِ شباب میں رونقِ خزاں کا دور
افسوس کیا ہُوا وہ زمانہ بہار کا

اے ابر جلد آ!

سمٹا ہُوا جو دامنِ ابرِ بہار ہے — برگشتہ چشمِ رحمتِ پروردگار ہے

غنچوں میں تازگی نہ گلوں پر نکھار ہے — لطفِ فضائے باغ، نہ وہ سبزہ زار ہے

مضطر نگاہِ شوق ہے، دل بیقرار ہے — اے ابر جلد آ، کہ ترا انتظار ہے

کانٹا ہُوئی ہے سُوکھ کے گلشن میں ہر کلی — خشکی سے لب پہ تشنہ لبی کی پکار ہے

وحشت برس رہی ہے جو وحش و طیور پر — شاید یہ ان پہ بارشِ باراں کی مار ہے

کیا نذرِ یاس ہو گئے گلشن کے چہچہے — بلبل ہے نغمہ زن، نہ نوائے ہزار ہے

ترسے ہُوئے ہیں قطرۂ آبِ رواں کو حلق — دشت و جبل میں خشک ہر اک آبشار ہے

ڈالی ہے کس نے دھول یہ ابرِ مطیر پر — چھایا ہُوا فلک پہ جو گرد و غبار ہے

یا مالیوں کا وہم ہیں آیا ہُوا ہے دوَر — ہر سمت خاک اُڑتی سرِ رہگذار ہے

ہم کو مٹا رہا ہے سپید و سیاہ دہر — زوروں پہ رنگ گردشِ لیل و نہار ہے

لائی ہُوئی ہے رنگ سیہ کاریٔ جہاں
دامن کشاں جو رحمتِ پروردگار ہے

تشنہ لبی سے نکلی ہے باہر زبان خشک
فریادی اس چمن میں ہر اک برگ بار ہے

ڈالی فلک نے کشت پہ دہقاں کے ایسی اوس
جو نخل ہے وہ سبزۂ بیگانہ وار ہے

چھینٹے دیئے وہ گرمیٔ اُلفت کے ابر نے
سرمست بادِ ہجر میں ہر بادہ خوار ہے

تھی برشگال میں کبھی ساون کی جو جھڑی
ہر چشمِ نم میں اب وہی اشکوں کا تار ہے

ابرِ کرم بتا کہ لگائی کہاں ہے دیر
دل چشمِ لطف کا تیری اُمیدوار ہے

رَونق کی ہے دُعا ہو خطائے جہاں معاف
بخشندۂ گناہ تو پروردگار ہے۔

موسمی ترانہ

آجکل بگڑی ہُوئی ہے یہ ہَوا برسات کی
جسکو دیکھو ڈھونڈتا ہے وہ دوا برسات کی

دل کو تڑپائیگی اب شاید ہَوا برسات کی
برقِ مضطر بن رہی ہے ہر ادا برسات کی

جا مِلی گیا لارڈ برکن سے گھٹا برسات کی
ہو رہی ہے ہم سے برگشتہ ہَوا برسات کی

لے رہے ہیں شورشِ تازہ کے گلشن میں مزے
ہے نمک افشانِ زخمِ دل فضا برسات کی

بھر گیا گردوں میں کس کی جنبشِ لب کا اثر،
نوکِ نشتر بن گئی بانکی ادا برسات کی

تیرِ جورِ ناروا سے پھٹ پڑا ہے آسماں

خونِ دل روتی ہے اب کالی گھٹا برسات کی
گُل کھِلیں گے پھر گلستانِ وطن میں کچھ نئے
رنگ لائے گی نسیم دل کشا برسات کی
حشر انگیزِ جہاں ہیں اسکی طوفاں خیزیاں
غرقِ موجِ آب کرتی ہے گھٹا برسات کی
پھُونک دینگے شعلۂ گلہائے گلزارِ نفاق
آتشِ رنگ دو فصلی ہے فضا برسات کی
متحد ہوں گے نہ جب تک ہندو و مسلم یہاں
تیر برسائے گی ہر دل پر ہوا برسات کی
ہو رہا ہے منتشر شیرازۂ بزمِ جہاں،
نخلِ بندِ باغ دل ہو گیا ہوا برسات کی
چرخ پر چمکا جو اپنا رنگِ اعمالِ سیاہ
فردِ عصیاں بن گئی کالی گھٹا برسات کی
کس ادا سے ہو رہی ہے رخنہ اندازِ جگر
تیرِ قاتل ہے ہوائے دلربا برسات کی
اِس قدر برسی، بپا عالم میں طوفاں ہو گیا
گھر بہا کر لے گئی لاکھوں گھٹا برسات کی
ہے بہارِ گلشنِ عالم جو اس کے پھیر میں
کیا شریکِ دورِ گردوں ہے ہوا برسات کی
چرخ پر پھُولی ہُوئی ہے آج پھر شام شفق
یا لگی ہے پائے گردوں میں حنا برسات کی
یوں چمکنا بادلوں میں ان کا دیتا ہے بہار
رات ہے تاروں بھری کیا خوشنما برسات کی

وہ گرجنا بادلوں کا، اور وہ بجلی کی کڑک
دل ہلا دیتی ہے عالم کے گھٹا برسات کی
خاک میں مِل کر بنا کرتا ہے دانہ کیمیا
نسخۂ اکسیر ہے رَونق ہَوا برسات کی

حُسنِ چراغاں

زمیں پہ اُترا ہُوا آج ہے مہِ انور
بچھی ہُوئی ہے سراسر جو نور کی چادر
عجیب حُسنِ چراغاں کا ہے نیا منظر
بنا ہُوا ہے ہر اک ذرّہ نیّرِ خاور
ستارے عرشِ معلّٰی کے جھلملاتے ہیں
کہ یا دئیے[1] یہ دیوالی کے جگمگاتے ہیں

اندھیری رات میں چمکا ہے مہرِ عالمتاب
کہ یا رواں ہے ہر اک سمت نور کا سیلاب
شعاعِ ماہِ منوّر ہے یا کہ موجۂ آب
کہ یا اُلٹ دیا رُخ سے کسی حسیں نے نقاب
زمیں سے تا بہ فلک ہے وہ نور کا عالم
کہ آرہا ہے نظر برقِ طور کا عالم

بنے ہیں نور کی تصویر ہر در و دیوار
جما ہُوا ہے عجب رنگِ بارشِ انوار
ہُوا ہے عکس فگن کس کا حسن سایہ دار
چمک گیا ہے زمانہ کا طالعِ بیدار
ہر ایک بزم میں جو شمعِ عیش روشن ہے
ضیا میں اس کی تجلّی برقِ ایمن ہے

بنی ہُوئی ہے شبِ تار آج نورانی
جہاں میں حسنِ چراغاں کی ہے نگہبانی
نشاطِ تازہ کی منظور ہے جو مہمانی
گھروں کی مہر فلک کر رہا ہے دربانی
وہ ضوفشانِ جہاں رنگِ دیپ مالا ہے

[1] دیئے۔ چراغ

کہ جس کے سامنے مہتاب چرخ کالا ہے

نہیں چراغ دیوالی کے ماہ پارے ہیں — زمیں سے چرخ پہ اڑتے ہوئے شرارے ہیں
ضیا ضیا میں نئی شان کے نظارے ہیں — جبینِ حسن سے چھٹکے ہوئے ستارے ہیں

یہ رات وہ ہے کہ جس سے ظہورِ قدرت ہے
فروغ بخش جہاں اس کا نورِ طلعت ہے

یہ رات وہ ہے کہ آتی ہے لکشمی گھر گھر — یہ رات وہ ہے کہ لٹتا ہے اس میں سیم و زر
یہ رات وہ ہے دکھاتی ہے عیش کا منظر — یہ رات وہ ہے نہیں اس سے شب کوئی بہتر

یہی دکھاتی ہے راہِ نجات اے آزوق
اسی کے جلووں میں ہے حسن ذات لے آروق (۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

دیپ مالا

عجب حسن چراغاں ہے نظارہ دیپ مالا کا
ہر اک سُو دیکھتے ہیں ہم تماشا دیپ مالا کا
یہاں حسنِ چراغاں ہے، وہاں تاروں کا جھرمٹ ہے
زمیں سے تا فلک ہے ایک نقشا دیپ مالا کا
اندھیری رات میں اس سے منور ہے جہاں سارا
ضیائے مہر انور ہے اُجالا دیپ مالا کا
چمک اُٹھے ہیں چہرے خلق کے فرطِ مسرت سے
چراغِ عشرتِ دل ہے تماشا دیپ مالا کا
صدائیں ہر طرف سے نغمۂ عشرت کی آتی ہیں،
لبِ اہل جہاں پر ہے ترانا دیپ مالا کا

نظر آتی ہے تصورِ ضیا حسنِ چراغاں کی
کھنچا ہے دل کے آئینے میں نقشا دیپ مالا کا

بھڑک ہے اسکے شعلوں کی نہاں برقِ تجلی میں
چراغِ طورِ سینا ہے شرارا دیپ مالا کا

ضیائے نورِ وحدت کی جھلک ہے آنکھ کے تِل میں
سمایا ہے نظر میں حسنِ یکتا دیپ مالا کا

ضیا سے اس کی ہو جائے منور گلشنِ عالم
بہارِ آتشِ گُل ہے یہ جلوا دیپ مالا کا

فلک پر دیکھ کر چشمِ قمر کو جس سے سکتہ ہے
جہاں میں ہے وہ منظر حیرت افزا دیپ مالا کا

دُرِ انجم نہیں تاباں دیئے ہیں یہ دیوالی کے
ہے افشانِ جبینِ چرخ نقشا دیپ مالا کا

یہی تو رام کی ہے راج گدی کا مبارک دن
دکھاتا ہے یہی دن ہمکو جلوا دیپ مالا کا

ہُوا روشن چراغاں تھا اِسی روزِ مبارک میں،
اِسی کی ہے ضیا یاری اجالا دیپ مالا کا

یہی یومِ دیوالی عیش و عشرت کا یہاں دن ہے
اسی کا ہے مسرت خیز جلوا دیپ مالا کا

نہ دیں کیوں دوستوں کو پھر مبارکباد ہم ذوقؔ،
خدا نے پھر مبارک دن دکھایا دیپ مالا کا

دیپ مالا

یہ کوئی شمع ہے، شعلے ہیں یا شرارے ہیں
کہ شانِ برقِ تجلّی کے یہ نظارے ہیں
نہیں چراغ دیوالی کے ماہ پارے ہیں
زمینِ چرخ سے اُترے ہُوئے ستارے ہیں

بجھی ہُوئی ہے اندھیرے میں نور کی چادر
ہے روشنی کا یہ پیشِ نظر نیا منظر

ادا سے بزمِ مسرت میں جگمگاتے ہیں،
تماشا نورِ سرِ طور کا دکھاتے ہیں،
فریبِ حسن سے حیرت میں دل کو لاتے ہیں،
جہاں کو بقعۂ انوار یہ بناتے ہیں،

اِنہیں چراغوں سے گھر بھر میں اب اُجالا ہے
اِنہیں کا نام زمانے میں دیپ مالا ہے

قطعہ

ہر ایک سمت ہیں عیش و نشاط کے جلسے
عجیب ہے روزِ مسرّت فزا دیوالی کا
جہاں ہے حُسنِ چراغاں سے نور کا بقعہ
نظر فریب ہے منظر نیا دیوالی کا

متفرّق خیالات

صبحِ امیّد

کس قدر دلکش ہے جلوہ صبحِ نورانی تیرا
دیکھتی ہے آئینہ ہر چشمِ حیرانی تیرا
باعثِ نشو ونمائے گلشنِ عالم ہے تو
نور ریزِ خلق و سایہ افگنِ عالم ہے تو
نور ہے تیرا جہاں میں مایۂ نازِ جہاں!
ہے ترے حُسنِ دل آرا سے منوّر ہر مکان
گُل کھِلائے وہ ہوائے رُوح پرور نے تیری
بن گئی گلدستۂ باغِ جہاں دل کی کلی
وہ سپیدیٔ سحر وہ چہرۂ زیبا ترا
فرح بخش و جانفزا ہے واہ کیا کہنا تیرا
بھُول جاتے ہیں شبِ فرقت کی عاشق سختیاں
جب نکلتی ہے تو لے کر شمع کافوری یہاں
جس طرح جب صبح ہوتی ہے نمودارِ فلک
لطف دیتی ہے دلِ مایوس میں اسکی جھلک
نور کا تڑکا سہانا وقت وہ ٹھنڈی ہوا۔

مست کر دیتا ہے ہر جھونکا نسیمِ عیش کا
خیر مقدم کے لئے بڑھتی ہیں جب بیداریاں
منہ پہ لے لیتی ہیں دامانِ سحر ہشیاریاں
اس طرح ہو مہرِ تاباں آئنہ بردارِ حُسن
دیدۂ حیرت فزا ہو منظرِ آثارِ حُسن
رہروانِ عیش کو تو منزلِ مقصود ہے
جلوہ گر صورت میں تیری صورتِ بہبود ہے
ہے جہاں میں تجھ سے وابستہ اُمیدِ عاشقاں
دیکھ لیتے ہیں وہ تجھ میں جلوۂ روئے بتاں
تو ہی ہے شیرازہ بندِ دفترِ بزمِ خیال
پردۂ صد آرزو ہے تیرا نورِ باکمال
حُسنِ عالم تاب ہوتا ہے ترا جب ضو فشاں
شمعِ بزمِ عیش بن جاتا ہے گلزارِ جہاں
تو ہمارے واسطے رنگِ گلِ اُمید ہے
منظرِ عشرت جہاں میں ہمکو تیری دید ہے

رازِ زندگی

سوزِ دل کو چاہیئے لطفِ گدازِ زندگی
ہے یہ اِک شمعِ فروزاں کارسازِ زندگی
ایک ہے سب کے لئے پستِ دفرازِ زندگی
ہو نہیں سکتا جہاں میں امتیازِ زندگی

خوشنوائی پر عبث ہے دل کو نازِ زندگی
بے صدا ہو جائیگا اک روز سازِ زندگی

ہو گیا بعدِ فنا یہ عقدۂ موہوم حل
زندگی میں کھُل سکا دل پر نہ رازِ زندگی

چھوٹ کر قیدِ علائق سے ملی دل کو نجات
ہو گیا آزاد ہو کر بے نیازِ زندگی

سر بسجدہ ہو کے ہر دم طالبِ گیتی رہا
زندگی بھر کی ادا دل نے نمازِ زندگی

چل نہیں سکتی جہاں میں لن ترانیٔ حیات
قبضۂ دست اجل میں ہے طرازِ زندگی

کیا تمنا تھی، کہ مارا آرزوئے زیست نے
عمر بھر دل کو رہی خوئے نیازِ زندگی

ہو علاجِ ہستیٔ بیمارِ اُلفت کس طرح
بے خبر ہے زندگی سے چارہ سازِ زندگی

ختم ہو جاتا ہے دم میں قصّۂ طولِ حیات
مختصر سی اک حکایت ہے درازِ زندگی،

کر گئیں برباد حُسن عشق کی نیرنگیاں
تھا طلسمِ آرزو نازو نیازِ زندگی

دل لگانا ہیچ ہے اِس ہستیٔ موہوم پر،
ہو نہیں سکتا کسی سے سازبازِ زندگی

ہو گیا ثابت جہاں میں یہ حباب بحر سے،
اِس کی ہستی میں ہے پنہاں دل کا رازِ زندگی

ہے بہارِ تازگی کے ساتھ ہی افسردگی،

آشکارا غنچۂ و گلُ سے ہے رازِ زندگی
ہے اُسی کی ذات پر رونق بھروسہ زیست کا
قدرتِ حق ہے ظہور کارسازِ زندگی

بے ثباتیٔ دہر

دُنیائے بے ثبات میں کس کو ثبات ہے
جو کچھ ہے چند روزہ یہ سب کائنات ہے
رنگِ طلسمِ دہر حیات و ممات ہے
گر آج صبحِ عیش ہے۔ کل غم کی رات ہے
ہر عالمِ وجود یہاں بے وجود ہے
دھوکا سا اک سراب کا بود و نمود ہے

سب کو یہاں فنا ہے کسی کو بقا نہیں
وہ کون ہے جو بستۂ دستِ قضا نہیں
کس پر فریبِ مرگ کا جادو چلا نہیں
کوئی بھی، نامراد اجل سے بچا نہیں
قبضے میں اسکے رہتی ہیں عالم کی ہستیاں
ہر سربلند کو یہ دکھاتی ہیں پستیاں

جو زندگی ہے، زندگیٔ مستعار ہے
ہستیٔ جہاں کی ہستی ناپائدار ہے
دُنیا کا جس حیات پہ دارومدار ہے
وہ اس جہاں میں موت کا گویا شکار ہے
جتنی بھی ہستیاں ہیں جہانِ خراب میں
رہتی ہیں اسکی سب نظرِ انتخاب میں

دنیا سرائے فانی ہے رہنے کی جا نہیں
اس میں سدا قیام کسی کو رہا نہیں
ناخوشگوار باغ کی کچھ خوش ہوا نہیں
عبرت کدہ ہے دہر یہ راحت کدا نہیں
آیا ہے جو یہاں پہ وہ جائیگا ایک دن
خمیازۂ حیات اُٹھائیگا ایک دن

در پیش ہے عدم کا ہر اک کو یہاں سفر اس مرگِ ناگہاں سے کسی کو نہیں مفر
ہے منزلِ حیات کی ہر راہ پُر خطر اس میں کوئی انیس ہے ہمدم نہ راہبر
جو راہرو ہیں رکھتے ہیں تنہا یہاں قدم
بھرتے نہیں جدائی کا یاروں کی اپنے دم

پڑتی ہے بے ثباتیٔ عالم پہ جب نظر شیرازہ دیکھتے ہیں زمانے کا منتشر
آنکھیں ہیں بند بیٹھے ہیں آمادۂ سفر منزل یہ وہ ہے راہ سے جس کی ہیں بیخبر
ملتا نہیں پتہ کدھر آئے، کدھر گئے
اک دم زدن میں بس اِدھر آئے اُدھر گئے

مُرجھا گئی کھلی جو چمن میں کوئی کلی شبنم کا رونا ہوگئی، غنچوں کی یہ ہنسی
رہتی نہیں ہے شاخ شجر بھی ہری بھری کھُل جاتی ہے خزاں میں حقیقت بہار کی
وہ رنگ و بوئے گل ہے، نہ وہ سبزہ زار ہے
جو کل چمن تھا، آج وہ اُجڑا دیار ہے

نیرنگ سازیاں ہیں یہاں موت کی عجب ہیں یاد جان لینے کے اسکو ہزار ڈھب
یہ وہ بلا ہے توڑتی ہے سب پہ اک غضب ہے یہ شکستِ ہستیٔ موہوم کا سبب
جس پر پڑی نگاہ اُسی کو مٹا دیا
زیر زمیں سُلا کے کرشمہ دکھا دیا

ہستیٔ برباد

گو جفائے چرخ سے ناشاد ہوں بزمِ ہستی میں مگر آباد ہوں
ہے زباں پر داستانِ دردِ دل قصۂ غم کی میں اک روداد ہوں
خود پھنسا رہتا ہوں اپنے دام میں ہے قفس گھر جسکا وہ صیّاد ہوں

دل مِلا ہے بے تمنائی مجھے قید و بندِ نفس سے آزاد ہوں
ایک ہے رونق مِری بُود و نبُود
میں جہاں میں ہستیٔ برباد ہوں

ہمہ اوست

تمہیں سرِّ حقیقت ہو، تمہیں رمزِ جہاں بھی ہو
تمہیں اسرارِ قدرت ہو، تمہیں رازِ جہاں بھی ہو
تمہیں ظاہر تمہیں باطن عیاں بھی ہو، نہاں بھی ہو
جدھر دیکھا اُدھر پایا، یہاں بھی ہو وہاں بھی ہو
فضائے روح پرور بھی، ہوائے جانستاں بھی ہو
بہارِ تازگیٔ گلستاں بھی ہو، خزاں بھی ہو
وہاں ہے نور کا پرتو یہاں تصویر کے جلوے
تمہیں بتخانہ و کعبہ، تمہیں حسنِ بُتاں بھی ہو
کبھی حاضر تصور میں، کبھی غائب خیالوں سے
تمہیں حدِ یقینِ دل، تمہیں وہم و گماں بھی ہو
تمہیں ہو گلِ زمینِ عشق و بابِ حسرت و ارماں
بساطِ جان و دل بھی ہو، مکیں بھی ہو مکاں بھی ہو
تمہیں سے ہر گھڑی ہے لذتِ آزادِ جاں حاصل،
تمہیں ہو اضطرابِ دل، تمہیں دردِ نہاں بھی ہو
حجابِ چشمِ بینا بے حجابِ دیدۂ باطن
تمہیں روپوشِ عالم ہو، تمہیں جلوہ کناں بھی ہو

تمہیں آوازِ کعبہ ہو، تمہیں آوازِ بتخانہ
صدائے دلکشِ ناقوس ہو، بانگِ اذاں بھی ہو

دمِ اظہارِ مطلب ہے جو پیدا لطفِ گویائی
تمہیں نطقِ زبانِ دل، تمہیں حسنِ بیاں بھی ہو

تمہیں سے دل کو ہے لطف و سرور بے خودی حاصل
تمہیں خمخانہ وحدت، تمہیں پیرِ مغاں بھی ہو

تمہیں سے ہیں عیاں عالم میں مرگ و زیست کے جلوے
فنا بھی ہو بقا بھی ہو، حیاتِ جاوداں بھی ہو

تمہیں آبِ لبِ جو ہو، تمہیں ہو ساحلِ مقصد
تمہیں اُمید کی کشتی، تمہیں آبِ رواں بھی ہو

اُدھر ہیں عرش پر جلوے اِدھر ہے فرش پر پر تو
فراز و پستِ عالم بھی زمیں بھی ہو زماں بھی ہو

نیاز و نازِ حسن و عشق سب جلوے تمہارے ہیں
ادائے دلبری بھی، آرزوئے عاشقاں بھی ہو

ہر اک سو ہیں تمہارے ہی رہِ دشوار میں جلوے
تمہیں ہو منزلِ اُلفت، تمہیں سنگِ نشاں بھی ہو

تمہیں پر ہے جہاں میں آج رونق ناز اُردو کو
سخن گو ہو سخنداں ہو تمہیں، اہلِ زباں بھی ہو

(۵ اگست ۱۹۲۷ء)

کیا ہوں؟

فریب خوردۂ رنگِ بہارِ دُنیا ہوں
فنا کا گلشنِ ہستی میں اک تماشا ہوں

میں انقلابِ زمانہ ہُوں دَورِ دُنیا ہُوں
جہانِ فانی کا بگڑا ہُوا سا نقشا ہُوں
طلسمِ حُسن ہُوں ، نیرنگ دو جہاں کا ہُوں
کرشمہ سازیٔ قدرت کا میں تماشا ہُوں
کیا ہے گم مجھے کچھ ایسا میری ہستی نے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کون ہُوں کیا ہوں
نمود بود ہُوں ، ہستی ہے لافنا میری
مرقعِ حُسن ازل کا ابد کا نقشا ہُوں
بھری ہُوئی ہے ضیا مجھ میں حُسنِ فطرت کی
حجابِ دیدۂ جاناں ہوں رُخ کا پردا ہُوں
محیطِ عالمِ کُل ہے ہر ایک موج مری
کنارا جس کا نہیں کوئی میں وہ دریا ہُوں
عیاں ہے شانِ احد صاف میری صُورت میں
جمالِ شاہدِ معنی ہُوں ، حُسنِ یکتا ہُوں
بنا ہُوا ہُوں جو تصویرِ حُسنِ بے پردہ
کسی کا نورِ مجسّم ہوں میں سراپا ہُوں
نوائے درد ہوں مضرابِ غم نہ چھیڑ مجھے
شکستِ ساز کا اپنے خموش نغما ہُوں
لئے ہُوئے ہے جو اثراتِ نور ہر ذرّہ
زمینِ وادیٔ ایمن ہوں خاکِ صحرا ہُوں
عیاں ہیں مجھ میں ہی ذات وصفات کے جلوے
فروغِ عالمِ ہستی ہُوں ، نورِ یکتا ہُوں
مَیں خود ہی مستیٔ عرفاں ہوں خود ہی بادہ پرست

میں خود ہی ساغر و مینا ہوں خود ہی صہبا ہوں
نگاہِ ناز سے جس کی جہاں ہے گردش میں،
میں تیر خوردۂ اندازِ اُس کا کُشتہ ہوں
کیا ہے حُسن نے کس کے بہ بے خودِ جلوہ
خبر نہیں مجھے رونق میں کس کا شیدا ہوں

کیا چاہتا ہوں؟

فنا ہو کے تجھ میں مِلا چاہتا ہوں
جو تو ہے، وہی میں ہوا چاہتا ہوں

محبت میں پھر دل دیا چاہتا ہوں
پھر اپنا کسی کو کہا چاہتا ہوں

کوئی جامِ عرفاں پیا چاہتا ہوں
میں مستِ الست اب ہُوا چاہتا ہوں

تماشائے ہستی کیا چاہتا ہوں
کوئی دم میں کروٹ لیا چاہتا ہوں

جس اندازِ جلوہ نے بیخود کیا تھا
میں پھر دیکھنی وہ ادا چاہتا ہوں

بھری ہو ضیا نورِ وحدت کی جس میں
میں وہ آئینہ حق نما چاہتا ہوں

خیالِ رخِ یار کو رکھ کے دل میں
میں داغوں کو گلشن کیا چاہتا ہوں

ہے پروانہ جس حُسن کی شمع کا دل
فدا جان اس پر کیا چاہتا ہوں

تو جس غنچۂ دگُل میں جلوہ نما ہے
میں بُو بن کے اس میں بسا چاہتا ہوں

من و تو کا جھگڑا اٹھا چاہتا ہے
تو میرا، میں تیرا ہُوا چاہتا ہوں

سرِ طور چمکی تھی جو برقِ ایمن
میں اُس نور کی پھر ضیا چاہتا ہوں

جو تھے سازِ ہستی میں وحدت کے نغمے
وہی دل سے اب پھر سنا چاہتا ہوں

جگہ دے کے دل میں کسی حور وش کو
میں اس گھر کو جنت کیا چاہتا ہوں

مٹوں تجھ پہ سو بار جینے کی خاطر،
میں اس نیستی کی بقا چاہتا ہوں

نہ جس دردِ اُلفت کا ہو کچھ مداوا، میں وہ دردِ دِل لادوا چاہتا ہُوں
میں اب قوّتِ ضبط بے حد سے اپنی طلسمِ جفا توڑنا چاہتا ہُوں
نہیں اَور کچھ التجا اس سے ذوقؔ
جو ہے دل میں وہ مدّعا چاہتا ہُوں

یادگارِ اہلِ خانہ

قلزمِ ہستی کا اپنے آشنا جاتا رہا۔
کشتیٔ اُمید کا اب ناخُدا جاتا رہا
کیا کہوں میں تجھ سے اے دل آہ! کیا جاتا رہا
تھا جو اپنا اک رفیقِ باوفا جاتا رہا
بارِ غم سے دیکھئے ہو کس طرح سیدھی کمر،
زندگی میں تھا جو پیری کا عصا جاتا رہا
آرزوئے دل پہ اپنی آہ! خنجر چل گیا،
ہو گیا خُونِ تمنا، مدعا جاتا رہا
پرورش پائی تھی جس کے سایۂ آغوش میں،
آہ! معصوموں کا وہ ظلِّ ہما جاتا رہا
جو فدا تھا دل پہ اپنے جس کا دل شیدائی تھا
ہو کے نظروں سے نہاں وہ دلربا جاتا رہا
اب کہاں پیشِ نظر وہ جلوۂ راحت فزا
تھا جو عیشِ دائمی کا آئینہ جاتا رہا
ناز جس کی خوبیوں پر گلشنِ ہستی کو تھا

آہ! وہ رنگِ بہارِ جاں فزا جاتا رہا
آہ! دل کے آئینہ پر پڑ گئی گردِ ملال
حسنِ صورت مِٹ گیا - رنگ صفا جاتا رہا
دیکھئے، ہو کس طرح طے اب رہِ دشوار تر
منزلِ ہستی کا اپنی رہنما جاتا رہا
ہو گیا ہے دامِ آفاتِ جہاں میں دل اسیر،
تھا جو اپنا دافع رنج و بلا جاتا رہا
ہو گئی ہے تلخ مرگِ اہل خانہ سے حیات
زندگانی کا جو تھا رونق مزا جاتا رہا

ادب

کرو گے جو بچو بڑوں کا ادب
کرینگے جہاں میں تمہیں پیار سب
کہا کرتے ہیں اسکو سب بانصیب
مثل ہے یہ سچ با ادب بانصیب
طریق ادب جسکو آتا نہیں،
اُسے پاس کوئی بٹھاتا نہیں
بڑھاتا ہے رتبہ شعارِ ادب
بڑا ہے جہاں میں وقارِ ادب،
ادب کی یہاں جس کو پہچان ہے
وہی آدمی ہے، کچھ انسان ہے
جھکاؤ گے گردن جو سوئے ادب
خدا اسے ملا دے گی خوئے ادب
بُری بات ہرگز نہ بولو کبھی،
زباں بے طرح تم نہ کھولو کبھی،
اگر چاہتے ہو ادب سیکھنا
نہ کرنا بڑوں کا کبھی سامنا،
ادب سے جو رکھو گے دل بستگی
سکھا دے گا تمکو یہ شائستگی،
غنی تمکو کر دیگا ہر بات سے
نہ کھونا یہ دولت کبھی ہات سے

ادب ہی سے ہوتی ہے قدرِ بشر — ادب ہی سے آتا ہے علم و ہنر
ادب ایک کنجی ہے تہذیب کی — خزانہ ہے اس علمیت کا یہی
نہ غافل رہو اس کی تم یاد سے — سبق اس کا لو روز اُستاد سے
جو رکھو گے علم ادب کا شمار — رہو گے جہاں میں سلیقہ شعار

جو رونق کا تم مان لو گے کہا
ملے گا تمہیں اس کا اچھا صلا

اِطاعت

بزرگوں کی بچو اطاعت کرو — بنے جس قدر اُن کی خدمت کرو
اطاعت ہی باعث سعادت کا ہے — سعادت صلہ حسن خدمت کا ہے
اطاعت کا تم یاد رکھنا سبق — کتاب سعادت کا ہے یہ ورق
رہو گے اطاعت سے تم شاد کام — کریگا محبت ہر اک خاص و عام
اطاعت سے ہرگز نہ منہ موڑنا — اطاعت کا رشتہ نہ تم توڑنا
بھرو گے اگر تم اطاعت کا دم — رہے گا بزرگوں کا تم پر کرم
اطاعت سے جاتی ہے عادت سنبھل — کہ نخلِ اطاعت کا ہے نیک پھل
جو مانو گے اپنے بڑوں کا کہا — نہ ہوگی کبھی کوئی تم سے خطا
عزیزِ جہاں خوئے تسلیم ہے — یہ سب سے بڑی ایک تعلیم ہے
اطاعت سے ملتا ہے پرماتما — اطاعت سے ہوتی ہے خوش آتما
جہاں میں ہے حق کی عبادت یہی — نہیں اس سے بڑھ کر ریاضت کوئی

کرو نظم رونق یہ گر تم عمل
نہ آئے عمل میں کبھی پھر خلل

محبّت

محبّت جہاں میں ہے نعمت بڑی
محبّت سے ہوتی ہے عزّت بڑی

محبّت اگر تم رکھو گے روا
نہ ہوگا کبھی کوئی تم سے جدا

یہ دیکھا محبّت سے انسان کو
بنا لیتا ہے اپنا حیوان کو

محبّت میں جادو کی تاثیر ہے
اِسی سے ہر اک دل کی تسخیر ہے

بنا دیتی ہے موم پتھر کو یہ
ہٹا دیتی ہے شورش و شر کو یہ

جو رکھو گے سب سے محبت یہاں
رہو گے جہاں میں عزیزِ جہاں

عدو اپنا ہوگا نہ دشمن کوئی
نہ پاؤ گے بدگو نہ بدظن کوئی

محبّت کے باعث رہو گے بھلے
لگائے گا تم کو زمانہ گلے

ہر اک تم پہ رکھے گا لطف و کرم
بھرے گا تمہاری محبّت کا دم

نہ رکھو گے بچّو محبّت اگر
نہ ہوگا تمہارا کسی دل میں گھر

محبت ہی پیاری ہے ماں باپ کو
سبق اس کا دیتے ہیں جو وہ سنو

محبّت ہی رکھتی ہے سب سے بھلا
اِسی سے ہے راضی جہاں میں خدا

سویرے اُٹھنا

اُٹھو بچّو! سویرا ہو گیا ہے
اندھیرا رات کا جاتا رہا ہے

دکھایا مُنہ سپیدیٔ سحر نے
نقابِ رُخ اُلٹ دی ہے نظر نے

فلک نے اوڑھ لی ہے چادرِ نور
سیاہی ہو گئی ہے شب کی کافور

اذاں کا شور اُٹھا مسجدوں میں صدا ناقوس کی ہے مندروں میں
زمانہ بھر ہے مصروفِ عبادت کھُلے ہیں ہر طرف بابِ ریاضت
رُخِ شب پر اب آنچل نور کا ہے سماں ہر سمت کوہ طور کا ہے
ظہورِ قدرتِ حق ہو رہا ہے نمایاں جلوۂ حیرت فزا ہے
نکل آیا ہے سورج آسماں پر چمک پھیلی ہُوئی ہے ہر مکاں پر
اُٹھو اور اُٹھ کے دھو منہ ہاتھ جلدی کرو کچھ یاد پہلے تم خُدا کی
پھر اسکے بعد کچھ لکھو پڑھو تم سبق یاد اگلا پچھلا سب کرو تم
کہیں ماں باپ جو وہ حکم مانو وہ جس رستے چلائیں اس کو جانو
اگر تم دیر اُٹھنے میں کرو گے، ہر اک سے پڑھنے میں پیچھے رہو گے
اگر تم مدرسے جاؤ گے جلدی کرینگے ماسٹر عزت تمہاری
سویرے اُٹھنے میں ہی فائدہ ہے یہ اچھا نیم، اچھا قاعدہ ہے
نصیحت پر جو آذق کی چلو گے
جہاں میں تم ہمیشہ خوش رہو گے

تاریخی منظومات

نوحہ

مشتمل برتاریخِ وفات سرگنگا رام آنجہانی

ماتم میں کس کے رنگِ فلک سوگوار ہے
آنسو لہو کے بہتے ہیں، سینہ فگار ہے
ہر سمت اشک باریٔ ابرِ بہار ہے
بجلی کی ہر تڑپ میں نیا اضطرار ہے
کیا بات ہے جو رنگِ شفق نیلگوں ہے آج
عالم کا فرطِ رنج سے حالِ زبوں ہے آج

یہ آہ! کون دے گیا داغِ مفارقت
سینہ میں جل رہا ہے چراغِ مفارقت
سر دھن رہے ہیں مستِ ایاغِ مفارقت
چکرا رہا ہے غم سے دماغِ مفارقت
ہر شخص دست بر دل و افغاں بلب ہے آج
ٹوٹا ہوا زمانے پہ قہر و غضب ہے آج

وہ ہو گیا نگاہوں سے روپوش اب کہاں
سرچشمۂ سخا و مددگارِ بے کساں

سیراب فیضِ عام سے تھا جسکے اِک جہاں
آتی تھی آبِ لطف سے ہر تشنہ لب میں جاں
بیواؤں کا یتیموں کا حامی نہیں رہا
بیکس نواز مردِ گرامی نہیں رہا
وہ جلوہ ریزِ نورِ صداقت کدھر ہے اب
وہ مہرِ آسمانِ شرافت کدھر ہے اب
وہ دُرجِ آبدارِ لیاقت کدھر ہے اب
وہ غمزدوں کا اخترِ قسمت کدھر ہے اب
چمکا ہُوا نصیب تھا بد نصیب کا
پلّہ گراں تھا سامنے جس کے غریب کا
ہمدردِ ملک و قوم ہمارا کہاں گیا
کس گلستاں میں چھوڑ کے یہ گلستاں گیا
جو اِس چمن کا تھا، وہ کدھر باغباں گیا
رونق وہ جس طرف گیا با عزو شاں گیا
پیکِ اجل سے یہ سِن رحلت عیاں ہُوا
سرگنگا رام راہیِ باغِ جناں ہُوا

۱۹ ۶ ۲۷

آہ! فروغ

جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ ان باکمال بزرگوں میں سے تھے، جن کا نام اہلِ علم میں ہمیشہ ادب سے لیا جاتا ہے۔ آپ باوجود

وکالت اور ریاست کی مشغولیت کے شعر و سخن سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ شاعرہ بزمِ اتحادِ سخن کے معاون اور رسالہ "کمال" دہلی کے سرپرست تھے۔ آپ کی خبر ادبی دنیا میں نہایت رنج و افسوس کا باعث ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت رونق مرحوم نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح فرمایا:-

قطعۂ تاریخ

برفت از جہاں حیف بدری کرشن — بجانم ملالِ جنابِ فروغ
بحسنِ بیاں در سخن یادگار — بعالم کمالِ جنابِ فروغ
ازیں سانحہ ناوکِ غم بدوخت — دلم را خیالِ جنابِ فروغ
سرِ آہ بشکستم از سالِ فوت
بگفت - انتقالِ جنابِ فروغ

۲۲ ۶ ۱۹

دیگر

چوں قضا کرد شاعرِ یکتا — در غمش اشکبار شد عالم
بدری کرشن نام نامش بود — در فنِ شعر افضل و اکرم
کرد رحلت زبام افتادہ — محو شد بر فضائے باغِ ارم
ماہرِ فن سخنورِ کامل — از جہاں رونہادہ سوئے عدم

سالِ فوتش رقم زدائے رونق
رنجِ مرگِ فروغ والا ہم

۲۲ ۶ ۱۹

قطعۂ تاریخ

وفاتِ حسرت آیات علاّمۂ دہر منشی سورج نرائن صاحب

مہرؔ دہلوی

نورِ عرفاں مہرِ چرخِ معرفت
جس کا تھا روشن دماغِ شاعری

تھا جو لبریز مئے وحدت اثر
وہ ہُوا خالی ایاغِ شاعری

نقش تھی دل پر حقیقت کی ضیا
علم کا سورج تھا داغِ شاعری

رہنمائے منزلِ حق چل بسا
مِل سکے کیونکر سراغِ شاعری

لُٹ گئی گلہائے معنی کی بہار
ہوگیا پامال باغِ شاعری

رونقؔ اک اندھیر مرگِ مہرؔ ہے
اُف! ہُوا اب گل چراغِ شاعری

۱۹ ۶ ۳۱

قطعۂ تاریخ

انطباعِ کرشن درپن مصنّفہ حضرت برقؔ دہلوی

بیک جلوۂ برقِ حُسنِ خیال
نمایاں شدہ شانِ علمِ ادب

دلم گفت رونقؔ پے سالِ طبع
بگو، کرشن درپن چھپا منتخب

۱۹ ۶ ۲۷

انتخابِ غزلیات

مِری حسرت مِری اُمید میری آرزو ہو جا
دل ارمانوں کی دُنیا ہے تمنا دل کی تو ہو جا
ہمہ تن جان و دل ہو جا، سراپا جستجو ہو جا
سما کر تو رگ و پے میں مجسّم آرزو ہو جا
مقابل حسرتِ دل کے تو اے آئینہ رو ہو جا
کمالِ شوق کی میرے شبیہ ہُو بہو ہو جا
سُنوں میں نغمۂ وحدت نوائے سازِ ہستی میں
میں صدقے اس ترنم کے مِری آواز تُو ہو جا
سخن آرائی میری معنئ رازِ حقیقت ہو
لبِ معجز بیان بن جا۔ زباں پر گفتگو ہو جا
خبر کیا ہے کہ نکلے کیا نتیجہ دل لگانے کا
اِس آغازِ محبّت کا مِری انجام تو ہو جا
اگر ہے عشق میں سعئ حصولِ مدّعا رونق
لگا کر دل کسی سے بے نیازِ آرزو ہو جا

نیست جب عالم سے سامانِ بقا ہو جائیگا
عالِم ہستی کا عالم ہی نیا ہو جائیگا
بے نیازی ہے نیازِ عشقِ کامل کی دلیل
بندگی سے ایک دن بندہ خدا ہو جائیگا۔

رنگ لانے کو ہے میرے جذبِ کامل کا اثر
میں ترا ہو کر رہوں گا، تو مرا ہو جائیگا
ہو اگر صبر آزمائے دل تری تصویرِ حسن
خود شکستِ آرزو اک مدعا ہو جائیگا
دیکھکر بزمِ تصوّر میں تری جلوہ گری
حسرتوں کو دل پہ دھوکا طور کا ہو جائیگا

ہے ترانہ زیست کا وابستۂ تارِ نفس
چھیڑتے ہی سازِ ہستی بے صدا ہو جائیگا
جستجو میں تیری رہ کر روز و شب محوِ خیال
عالمِ دل ایک عالمِ خواب کا ہو جائیگا
گر رہا رونق یہی طرزِ تغافل یار کا
نقشِ باطل ایک دن نقشِ وفا ہو جائیگا

نور آنکھوں میں رہا تیرا تصور دل میں
ہم نے جلوت میں بھی دیکھا تجھے خلوت کے سوا
کچھ عجب نیند کے ماتے ہیں یہ مرنے والے
ایسے سوئے ہیں نہ اُٹھیں گے قیامت کے سوا
مجھکو غافل کیا ایسا تری مدہوشی نے
نظر آتا نہیں کچھ پردۂ غفلت کے سوا
ہم حسیں چاہیں جہاں میں تو بہت اے زاہد
تجھکو حوریں نہ ملیں گی کہیں جنت کے سوا

گماں تھا ہر تڑپ پر اسکی اندازِ تبسم کا
چمکنا برق کا سمجھا کسی کا مسکرا دینا
دکھائی ہے اگر رونق بہارِ سخنی رنگیں
زمینِ شعر کو گلدستۂ مضموں بنا دینا

کہیں دیکھا ہے فرقت میں چمکنا داغِ حسرت کا
ذرا سا مُنہ نکل آیا ہے خورشیدِ قیامت کا
بدل لی یاس سے صورت مری صبحِ تمنا نے
رُخِ خورشید پر غازہ ہے شاید شامِ فرقت کا
مری تردامنی کا حشر میں ڈھک جائیگا پردہ
جو آیا جوش پر دریا کہیں اشکِ ندامت کا
جبینِ نازِ قاتل میں نشاں ہیں میری ہستی کے
بنی ہے چینِ پیشانی نوشتہ خطِ قسمت کا

جب منزلِ ہستی سے دل دور و دراز آیا
عالم کا نگاہوں میں سب پست و فراز آیا
پیشانیٔ عاشق نے جھک جھک کے ترے در پر
سو بار کئے سجدے جب طرزِ نیاز آیا
پھر گرمیٔ اُلفت نے بھڑکا دیئے ہیں شعلے
پھر سوز ہُوا پیدا، پھر لطفِ گداز آیا
تھی زندگی وہ مستی زاہد بھی ہُوا سرخوش
جب مے سے وضو کر کے وہ بہرِ نماز آیا

نمایاں پردۂ دل میں ترا حسن نہاں ہونا
اِسے کہتے ہیں جذباتِ محبت کا عیاں ہونا
ترانے حسن کے سنتا ہوں اپنے ہر بنِ مُو سے
نفس کو آگیا ہے عشق میں شاید زباں ہونا
مِلا کر خاک میں ہستی تلاشِ یار کی خاطر
سکھایا ہر نفس کو ہم نے ریگ کارواں ہونا
کہیں تصویر کے جلوے کہیں پردہ حجابوں کا
عجب یہ حسنِ فطرت ہے عیاں ہونا نہاں ہونا

تو ہی آوازِ کعبہ ہے، تو ہی آہنگ بتخانہ
کہیں ناقوس کا نغمہ کہیں شورِ اذاں ہونا
ہرے رہتے ہیں زخمِ دل خیالِ حسنِ جاناں سے
مرے داغوں نے سیکھا ہے بہارِ بے خزاں ہونا
لبِ خاموش سے اظہارِ غمِ فرقت ہیں کرتے ہیں
سکھایا زخمِ دل کو کس نے غنچوں کی زباں ہونا
کھِلی ہیں گلشنِ اُمید میں کلیاں محبت کی
ہمارے دل کو آیا ہے بہارِ گلستاں ہونا
بلندی پر ہے شانِ رفعتِ مضمون اسے رونق
زمینِ شعر کو ہم نے سکھایا آسماں ہونا

رنگِ تصویرِ جہاں کو ترا نقشا سمجھا — ذرہ ذرہ کو میں اک حسن سراپا سمجھا
محوِ حیرت جو تصور نے بنایا مجھکو — اپنی تصویر کو میں تیرا سراپا سمجھا
بیخودِ جلوہ کبھی اور کبھی ہشیار رہا — کبھی معبود کبھی خود کو میں بندہ سمجھا

واۓ غفلت کہ سراب آسا نہ جانا اسکو   بھول اتنی ہوئی دُنیا کو میں دُنیا سمجھا
دیدۂ تر نے اُٹھاۓ وہ شبِ غم طوفاں   جو گِرا آنکھ سے قطرہ اسے دریا سمجھا

بادۂ وحشت اثر سے مست ویرانے میں تھا،
ایک عالم بے خودی کا تیرے دیوانے میں تھا
جلوہ فرما تھا وہ کعبے میں نہ بتخانے میں تھا،
ڈھونڈتا تھا جسکو میں وہ دل کے کاشانے میں تھا
حسرتیں تھیں رقص میں ساز طرب تھی آہِ دل،
عیش دُنیا بھر کا میرے ایک غم خانے میں تھا
پوچھتا کیا ہے حقیقت اس کی مجھ سے محتسب،
کیا بتاؤں میں تجھے کیا میرے پیمانے میں تھا
جوشِ وحشت میں تھی اسکی جستجو دونوں طرف
اِک قدم میرا تھا گھر میں، ایک ویرانے میں تھا
ہر گھڑی تھی جس کے جلوہ کی نگاہوں کو تلاش،
نور اس کا آنکھ میں وہ دل کے کاشانے میں تھا
سُرخ ڈورے آگئے پیتے ہی ساقی آنکھ میں،
یہ مئے گلرنگ تھی یا خون پیمانے میں تھا
لاسکا اے شمع دم بھر بھی نہ تاب سوزِ عشق،
خاک ہونے کے سوا کیا خاک پروانے میں تھا
اور کیا کعبے میں ملتا سنگ اسود کے سوا،
ڈھونڈتا تھا جس کو تو زاہد وہ بتخانے میں تھا
نغمۂ حق کی صدا ہر دم کیۓ دیتی تھی مست
کس مزے کا اک ترنم دل کے پیمانے میں تھا

میری راحت کا ذریعہ تھیں مری آزادیاں،
وہ قدم تھا عیش خانے میں جو ویرانے میں تھا
کوند کر گرتی تھیں دل پر ہر طرف سے بجلیاں
اِک نیا انداز ان کے تیغ چمکانے میں تھا
چشمِ حق بیں کے لئے ہیں ایک ہی دیر و حرم
صاف کعبے میں نظر آیا جو بتخانے میں تھا
اب وہ رنگِ بادۂ اُلفت الٰہی کیا ہُوا
جوششِ حُبّ وطن جو دل کے پیمانے میں تھا
کیا کہوں، کس شے نے رَونق کر دیا مستِ الست
تھا وہ اک رنگ مئے عرفاں جو پیمانے میں تھا

رکھ کے نظروں میں تجھے کی ہے رسائی پیدا
تو شناسا تھا نہ دل تیرا شناسائی تھا
کیوں کیا غش نہ تجلی سے زمانہ بھر کو
کیا ترے جلوے کا موسیٰ ہی تمنائی تھا

سبق آموز ہے ہستی فانی — بشر اس راز کو اصلا نہ سمجھا
رہی برسوں تیری تصویر دل میں — فریب حسن کا دھوکا نہ سمجھا

ذرا سی عمر پر یہ کبر و نخوت — بشر افسوس ہے اتنا نہ سمجھا
بہت دن خوشنما چالوں میں آیا — نہ سمجھا تو دل شیدا نہ سمجھا

جلوہ کا دیتے طور پہ موسیٰ جواب کیا — دل عالمِ غشی میں زبان خموش تھا

پنہاں نہ ہو سکا مری خود داریوں کا راز آزاد رُوح تھا مِری جو پردہ پوش تھا

یہ ماہِ نو بھی ہے سُمِ توسن کا اِک نشاں،
روندا ہُوا ہے چرخ کسی شہسوار کا
ذرّے یہ کہ رہے ہیں بگولوں سے خاک کے
آئینہ ٹوٹ جائے نہ دل کے غبار کا

ہر رگ و پے میں سمایا اسکا یوں حُسن و جمال
رشتۂ دل بن گیا، پیوستۂ تن ہو گیا
خاک میں ہستی مِلا کر پائی یہ نشو و نما
ہو کے پیوند زمیں ہر دانہ خرمن ہو گیا

حقیقت کچھ نہیں کھُلتی الٰہی ماجرا کیا ہے
عجب رازِ نہفتہ ہے اِدھر آنا اُدھر جانا
حیات چند روزہ نشہ ہے صہبائے غفلت کا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
طلسمِ زلف رنگِ انقلابِ دہر ہے شاید
اِسے آتا ہے دم بھر میں بگڑ جانا سنور جانا

کیا جادۂ مراد کو پہنچے مریدِ عشق،
پہلو میں دل سا مرشدِ کامل نہیں رہا
رہنے دے اب ستا نہ مجھے آرزوے یار
جس دل میں شوق وصل تھا وہ دل نہیں رہا

خود داریوں نے کھینچا ہے دُور اِس قدر اُنہیں
دُنیا میں کوئی مدِّ مقابل نہیں رہا

وہ خودی سے اپنی گذر گیا یہ ہے حال عاشقِ زار کا
نہیں ماسوا کی خبر اسے ہے خیال ایک نگار کا
وہ جو پی تھی میں نے ازل میں کچھ یہ اسی کا رنگ بہار ہے
ہُوا مستِ کیف ہے اک جہاں یہ اثر ہے میرے خمار کا
کہیں آستانِ صنم کدہ، کہیں زیبِ طاقِ حرم ہُوا
کوئی دیکھے آکے تو مرتبہ مرے ایک مُشتِ غبار کا

نثارِ شمع ہونے بزم میں پروانہ آپہنچا،
قریبِ منزلِ دیوانگی دیوانہ آپہنچا
ترانے حمد کے گلشن میں برگِ گُل سے سنتا ہوں
زبانِ غنچہ پر کیونکر تیرا افسانہ آپہنچا
اِسے کہتے ہیں مل کر خاک میں اکسیر ہو جانا
ہُوا سرسبز وہ زیرِ زمیں جو دانہ آپہنچا
سفر اس بزم سے کرنے کو پھر رجعت کی ٹھانی ہے
گلے پھر آج ملنے شمع سے پروانہ آپہنچا
رقم ہے داستانِ عشقِ بلبل پتّہ پتّہ پر
گلوں تک کس طرح گلشن میں یہ افسانہ آپہنچا
کھنچی تھی کیا تیری تصویر ترکیبِ عناصر سے
کہ مشتِ خاک میں اندازِ معشوقانہ آپہنچا
پرستارِ صنم ہوکر جو ڈھونڈی راہ کعبہ کی

قدم بہکا ہُوا اپنا سرِ میخانہ آپہنچا
بنیں گے آج پھر سرمست صہبائے سخن رونق
قدم پھر اپنا قربِ محفلِ رندانہ آپہنچا

جہاں ڈھونڈا تجھے ہم نے وہیں پایا نشاں تیرا
نہ مسکن بتکدہ میں ہے، نہ کعبہ میں مکاں تیرا
عدم کا ہے سفر، منزل کڑی، ارمان تنہا ہیں
نہ لُٹ جائے کہیں، سنتے ہیں اے دل کارواں تیرا
لگی دل کی کہیں بجھتی ہے ان دو چار چھینٹوں سے
ابھی ہے دیکھنا رنگ اور چشمِ خوں فشاں تیرا
عبث ہے ناز اتنا اس بہارِ چند روزہ پر
کوئی دن اور ہے بلبل چمن میں آشیاں تیرا

لکھتا ہے آج وصف کسی کے جمال کا
گھونگٹ اُلٹ رہا ہوں عروسِ خیال کا
چمکی وہ تیغِ ناز کہ بجلی چمک گئی۔
نکلا غلافِ حُسن سے چہرہ جمال کا

سکھا دیتی محبت بے نیازِ آرزو رہنا
اگر یہ حسن کی سرکار میں دستور ہو جاتا

دکھاتا کیوں کشش اپنی دل وحشت اثر اپنا
بناتے تم نہ گر جذبات کی دُنیا میں گھر اپنا

ہمیشہ جان ہی دیتا رہا ہستیِ فانی پر
نہ سمجھا حیف رازِ زندگی مطلق بشر اپنا
کڑی منزل عدم کی، دور رستہ، ٹھوکریں لاکھوں،
بڑی مشکل سے مر مر کر یہ طے ہوگا سفر اپنا

ہے بکھرنے کو جو شیرازۂ ہستی زونق!
ورقِ زیست کوئی خوابِ پریشاں ہوگا

پہنچا دیا ہے ہم کو حدِ یقیں سے آگے
اُلفت میں بڑھ گیا ہے ہم سے یقیں ہمارا

اِک جلوۂ نگاہ سے بے خود بنا دیا
اچھا ملا جواب ہمارے سوال کا
ہر بُود میں نبود ہے، نابود میں ہے بُود
دنیا بھی ایک راز ہے ماضی و حال کا

میں جس کو ڈھونڈتا تھا اُسے پا گیا خیال
مرشد سے بڑھ کے حوصلہ نکلا مرید کا
بنجائے چشمِ شوق ہماری زبانِ دل،
گر دخل ہو حجاب میں گفت وشنید کا

یہی ہیں عشق میں رازِ دنیاز کی باتیں
جفائیں کرنا تمہارا مرا دُعا دینا

کعبہ ہے کسی کا نہ ہے بتخانہ کسی کا
دونوں میں مگر ایک ہے افسانہ کسی کا
نیرنگیٔ قدرت کے کرشمے ہیں نرالے
رنگ ایک جہاں میں کبھی دیکھا نہ کسی کا

سب داستانِ طولِ امل اپنی رہ گئی
جب قصۂ حیات مرا مختصر ہُوا

پروانہ تمکو شمع کی حالت بتائے گا
دل میں بھری ہے لذتِ سوز و گداز کیا
خود ہے جفا شعاری سے چکر میں رات دن
اپنا بنائے گا فلکِ کینہ ساز کیا
اس یادِ حق سے زاہدا مسجد میں فائدہ
جب صاف دل نہیں تو سجود و نماز کیا

مرے دل میں رہنے لگی اُسکی یاد
یہ آباد خالی مکاں ہو گیا

نگاہِ شوق سے کس دن تمہیں حجاب نہ تھا
حیا کے پردے میں روپوش کب شباب نہ تھا

باغِ جہاں سے ہونا ہے آخر فنا ہمیں
کچھ روز آور کر گئے گر چہچہے تو کیا

کسی نقشِ قدم بن گئی مِری ہستی
مٹا مٹا سا نشانِ سرِ مزار رہا
خیالِ نوکِ مژہ میں رہی مزے کی خلش
جگر میں چٹکیاں لینے کو تیر یار رہا

شوخی کا لُطف حُسنِ تبسّم سے مِل گیا
ہنسنے سے اُس کے غنچۂ اُمید کِھل گیا
تاکیدِ ضبطِ آہ نے کُھلنے نہ دی زباں
مُنّہ بند ہو گیا لبِ فریاد سِل گیا

ارمانِ قتل خنجرِ قاتل میں رہ گیا
کچھ دم اٹک کے سینۂ بسمل میں رہ گیا
ہونے کو شاد کام ہزاروں ہُوئے ۔ مگر
ناکام ایک مَیں تِری محفل میں رہ گیا

روبرو اُن کے آئینہ نہ ہُوا ۔ خیر گذری ، کہ سامنا نہ ہُوا
ہے یہ حیرت کہ غیر کا ارماں کیوں مِرے دل کا مدعا نہ ہُوا
لذّتِ دردِ دل وہ کیا جانے اِس مزے سے جو آشنا نہ ہُوا
بے وفا تجھ سا میں بھی ہو جاتا
یہ محبّت کا اقتضا نہ ہُوا

دل ہے نگار خانۂ حیرانِ اضطراب
پیشِ نظر ہے جلوۂ سامانِ اضطراب

پُر نور ہے مری شبِ ہجرانِ اضطراب
داغِ درونِ دل ہیں چراغانِ اضطراب
لیتا ہُوں ہجر یار میں اُلفت کے یوں مزے
دل ہے فدائے درد میں قربانِ اضطراب
روکا جو دل میں یاس کو حسرت تڑپ گئی.
پیدا ہزار ہو گئے سامانِ اضطراب
دل سے نکل کے جائے کدھر نالۂ فراق
ضبط وسکون وصبر ہیں دربانِ اضطراب
ٹوٹا قفس میں بلبلِ نالاں پہ ایک حشر
جاری کیا صبا نے جو فرمانِ اضطراب
ارمان و یاس، رنج و قلق، دردِ ہجر یار
اک دل میں لاکھ جمع ہیں مہمانِ اضطراب

ہو رہے ہیں کس ادا سے شاخِ گل پر چہچہے،
آج دیکھے تو چمن میں کوئی شانِ عندلیب
غنچۂ و گل ہی کے دم تک ہے یہ ہنستا بولنا.
ورنہ کھلتی ہے چمن میں کب زبانِ عندلیب

داغِ دل داغِ جگر ہیں لالہ و گل کا جواب
نقشِ فریادی ہُوں میں تصویرِ بلبل کا جواب
ناتوانی میری ہمرنگِ نزاکت ہو گئی۔
وہ جواب برگ گلُ ہَں میں رگِ گلُ کا جواب
آرہی ہے بادۂ اُلفت سے حق حق کی صدا
شیشۂ دل دے رہا ہے شورِ قلقل کا جواب

گُل شوخیاں دکھلائیں گی زیرِ نقاب کب
رنگیں بنے گی حسن کی سادہ کتاب کب

بخشندۂ جرائم لا انتہا ہے جب
کر لے گا وہ گناہوں کا میرے حساب آپ

کس شمع رُو کا دل میں تصوّر ہے جاگزیں
ارمانوں کا ہجوم ہے پروانہ وار آج

سرکش جو ہیں وہ پھولتے پھلتے کبھی نہیں
ہوتی ہے بار ور کہیں سرو چمن کی شاخ
آنکھیں یہ آپ کی ہیں، کہ نرگس کے پھول ہیں
ہے زلفِ پُرشکن کہ غزالِ ختن کی شاخ

گلشن میں کیا فقط تھا مرا آشیاں پسند
برقِ تپاں کچھ اور نہ آیا یہاں پسند،
یُوں چشمِ انتخاب میں رکھ لے تجھے کوئی
ایسی عطا ہُوئی ہے کسی کو کہاں پسند

ہجر کی شب ضبطِ فریاد و فغاں اے دل غلط
حرف آجائے نہ تیرے نالۂ شبگیر پر

عین ہوشیاری ہے وارفتۂ اُلفت ہونا

ہم نے دیکھا ہے اسے آپ سے غافل ہو کر

بحرِ ہستی سے کیا ہو نہ کہیں دل نے عبور
کوئی گزرا ہے اِدھر سے لبِ ساحل ہو کر

کہیں فانوس میں شعلہ بھی نہاں رہتا ہے
آپ چھُپ سکتے ہیں شمع سرِ محفل ہو کر

عشق میں کچھ نہ دیا ناخنِ تدبیر نے کام
رہ گئی دل کی گرہ عقدۂ مشکل ہو کر

گور تک آئے ہیں مر مر کے بڑی مشکل سے
جائیں منزل سے کہاں اب سرِ منزل ہو کر

نکتہ پرور ہو سنو بات ہے یہ نکتہ کی
تم سما جاؤ، نگاہوں میں مری تِل ہو کر

یہ جانبازِ محبت ہیں انہیں اِک کھیل ہے مرنا
پتنگے جان دے دیتے ہیں اپنی شمع روشن پر

میں بے سوچے محبت میں کسے دل اپنا دے بیٹھا
تعجب ہو رہا ہے اپنے اس بے ساختہ پن پر

حجابِ چشمِ عالم ہے اگر تم کو عیاں ہو کر
سما جاؤ مرے دل میں مرا راز نہاں ہو کر

تلاشِ یار میں برسوں پھرے وہم و گماں ہو کر
نشاں اُس بے نشاں کا ہم نے پایا بے نشاں ہو کر

کوئی تو ترجمانِ دردِ دل ہو اپنا فرقت میں

ہزا ہو رازِ اُلفت بول اُٹھے خود زباں ہو کر
ہمارا اُن کا رازِ حسن و اُلفت کھل نہیں سکتا
یہ افسانہ زمانے میں رہے گا چیستاں ہو کر

ہر نفس زیست کا پیغام اجل دیتا ہے
دم شماری کیا کرتے ہیں انہی تاروں پر

نہ لائے طورپر موسیٰ غشی سے تابِ نظارہ
کسی کا رہ گیا جلوہ تماشائے نظر ہو کر
الٰہی بے خودیٔ شوق میں کھو کر خودی اپنی،
خبر بن جاؤں میں تیری جہاں سے بے خبر ہو کر
حکایاتِ شبِ غم کس طرح طول عمل بنتیں
کٹی ہے زندگی فرقت میں قصۂ مختصر ہو کر

لباسِ ظاہری سے کیا غرض مجھ ننگِ وحشت کو
کسی کے حسنِ عریاں کا ہو سایہ جسمِ عریاں پر
ربابِ زندگی سے نغمۂ خاموش پیدا ہے
نوا سنجی فنا کی ہے مرے تارِ رگِ جاں پر
قیامت ہے کسی صورت لگی دل کی نہیں بجھتی
بہت چھینٹے دیئے ہیں چشمِ تر نے سوزِ پنہاں پر
نمایاں ہے ہر اک گل میں جو رنگِ شانِ یکتائی،
پڑا ہے پرتوِ حسنِ ازل شاید گلستاں پر
بتوں کے عشق میں رونقِ دل و دیں دے تو بیٹھے ہیں

مگر ڈر ہے۔ کہیں دھبّہ نہ آئے شانِ ایماں پر

ہیں صُورتِ عنقا جو دلِ زار کے انداز
پھرتے ہیں نظر میں کمرِ یار کے انداز
کس شوق سے لیتی ہیں تمہیں مول نگاہیں،
دیکھے تو کوئی چشمِ خریدار کے انداز
صحرائے جنوں میں خلشِ آبلہ پا سے
پوچھے کوئی نوکِ سرِ ہر خار کے انداز
نرگس نے بھی شوخی مری آنکھوں کی اُڑائی
بیمار کو خوش آئے ہیں بیمار کے انداز
ہیں بے خودئ شوق میں بھی اُن پہ نگاہیں،
اللہ رے مرے دیدۂ ہُشیار کے انداز
ہر ہاں میں تری لُطف ہے اے جان نہیں کا
اقرار کے پہلو میں ہیں انکار کے انداز

کیونکر کلیجہ چیر کے رکھ دوں الٰہی میں
کیونکر اُنہیں دکھاؤں دلِ پُرمحن کے داغ
غربت میں آشنائے وطن ہو گئے جُدا
اہلِ وطن نے ہمکو دیئے ہیں وطن کے داغ

اشکِ خونیں میں ہے رنگِ جلوۂ حُسن طلب
نظریں عالم کی کھنچی جاتی ہیں دامن کی طرف

نامِ حسن و عشق کا ہے چار سُو چاروں طرف
بیں ہی میں ہُوں چار جانب تو ہی تو چاروں طرف
پُرزے ہو ہو کر اُڑا ہے دامن اے دستِ جنوں
مشتہر میں ہو چکا ہُوں چار سُو چاروں طرف
ہے یہ دلّی کا تصدق یہ ہے دلّی کا طفیل
ہو گیا مشہور رونقِ لکھنو چاروں طرف

عین وحدت ہے دلیلِ کثرتِ نشو و نما
سینکڑوں لاتا ہے پھل گر کر زمیں پر دانہ ایک
اللہ اللہ حالتِ سوز و گدازِ حسن و عشق
بزم میں دیکھا ہے رنگِ شمع و پروانہ ایک
یُوں تو چشمِ جوہری کے واسطے گوہر بہت
بے بہا پاؤ گے بحرِ حسن میں دُردانہ ایک

وہ ہُوں گردش نصیبِ دورِ عالم — کہ ہے برگشتہ مجھ سے آسماں تک
یہ کس میکش کی ٹوٹی آج توبہ، — کہ ٹکڑے ہے خُمِ پیرِ مغاں تک

شاید گذر ہُوا ہے کبھی اسکا سُوئے دل
اب تک ہے مست جلوہ مِری آرزوئے دل
گُم ہے تلاشِ یار میں وہ بھی مِری طرح
مَیں اپنی جستجو کروں یا جستجوئے دل
حیراں ہے اس کے جلوہِ حیرت طراز سے
کیا تاب آئنہ کی جو ہو رُوبروئے دل

اِس جلوہ گاہ نازمیں گذری ہے دل پہ کیا
پوچھیں گے اس خبر کو کسی بے خبر سے ہم
شوخی سے کچھ اڑائے ہیں اندازِ اضطراب
کچھ لیں گے بجلیاں تیری برقِ نظر سے ہم

کیفِ اُلفت میں بہکنا مرا دستور نہیں۔
مستیٔ عشق مری مستیٔ منصور نہیں
جلوہ خلوت میں دکھانے سے تجھے عار ہے کیوں
حُسن مستور نہیں، تُو کوئی مجبور نہیں
دل رہے عشق میں ناکام تمنا ہو کر،
میرے جذباتِ محبت کا یہ دستور نہیں
مندمل جس سے ہو زخمِ دلِ عاشق رونق
وہ ہے کچھ اور ہی شئے مرہم کافور نہیں

گلشن میں تو نے ہنس کر سب کو ہنسا دیا ہے
انداز دیکھتا ہوں تیرے کلی کلی میں۔
مایوسیاں ہیں دل کی عبرت کا اِک مرقع
حسرت برس رہی ہے دُنیائے بیکسی میں

خودی کو دل سے مٹا رہے ہیں ۔ دوئی کا پردہ اُٹھا رہے ہیں
کسی کے جلووں میں پل رہے ہیں ۔ کسی کو خود میں ملا رہے ہیں
جو آکے ہستی میں ہم نے دیکھا ۔ وہی عدم میں بھی ہے تماشا
وہاں سے کچھ لوگ آرہے ہیں ۔ یہاں سے کچھ لوگ جا رہے ہیں

آیا نہ کچھ بھی عالمِ ہُو کے سوا نظر
تو جس مقام پر ہے وہاں کوئی بھی نہیں
رخنہ گرِ نقاب نہ ہو اے نگاہِ شوق!
منظور حسنِ یار کی پردہ دری نہیں

پھیرسے قسمتِ داڑوں کے نکلنا معلوم
یہ وہ چکّر ہے کہ جو گردشِ دوراں میں نہیں
داغِ دل دیتے ہیں گلزارِ حقیقت کی بہار
یہ وہ گلُ ہیں، جو کسی اور گلستاں میں نہیں

سُنیں دن رات برگِ گُل سے نغمے تیری وحدت کے
دہانِ تنگ میں غنچے اگر پیدا زباں کریں
ملادیں جُزوِ ہستی کو جو اُسکے جلوہٗ کلُ میں
نئی ترکیب سے قطرے کو بحرِ بیکراں کریں
محبّت میں کوئی تو محرمِ جذباتِ پنہاں ہو
کسی کے حسن کے جلووں کو اپنا رازداں کریں
سما جانے کو اِس میں وسعتِ کونین کے جلوے
جہانِ دل میں اپنے اور اک پیدا جہاں کریں
اِسی حسرت اِسی ارمان میں اب تک رہے رَونق
جہاں میں آور کچھ سیرِ ظلماتِ جہاں کریں

بقا انساں وہ پاتا ہے فنا جو خود کو کرتا ہے،
نہاں ہے راز دریا کا حبابِ موجِ دریا میں،

جنوں میں رنگ لائی ہے یہ کس کی آبلہ پائی
یہ سوتی کس نے ٹانکے گوشۂ دامانِ صحرا میں
اداؤں سے مسخر کر لیا ہے دونوں عالم کو
کشش ہے کس قیامت کی تیرے طرزِ دل آرا میں

کیا ہے عشق نے آزاد دو جہاں سے ہمیں
نہ کچھ یہاں سے غرض ہے نہ کچھ وہاں سے ہمیں
خودی کو بھول کے مستِ الست ہو جانا،
ملا ہے فیض یہ خمخانۂ مغاں سے ہمیں
اذاں حرم میں ہے ناقوس ہے کنشت میں تو
صدائیں آتی ہیں تیری کہاں کہاں سے ہمیں
پھر آج اٹھا ہے وہ پردۂ حجاب کہیں،
شعاعیں سی نظر آتی ہیں کچھ یہاں سے ہمیں
مثالِ شمع ہیں سب رات بھر کے یہ جلوے
سحر کو اٹھنا ہے اِس محفلِ جہاں سے ہمیں
مٹا کے ہستیٔ موہوم تجھ کو پایا ہے،
پتہ ملا ہے ترا خاکِ بے نشاں سے ہمیں
چمن سے اٹھ گیا رونق جب آشیاں اپنا
نہ پھر بہار سے مطلب نہ کچھ خزاں سے ہمیں

تاثیرِ جذبِ شوقِ تصور میں دیکھنا — پردے لگائے بیٹھے رہو تم حجاب میں
پیری میں حالِ عالمِ رفتہ نہ پوچھیے — کچھ اور ہی تھی صورتِ ہستی شباب میں
وہ شہسوارِ توسنِ عمرِ رواں ہیں ہم — ہر وقت پاؤں رہتا ہے اپنا رکاب میں

کیا معمورِ حُسن جوہرِ ذاتی سے انسان کو
بشکلِ زرِ نہاں پایا تجھے ہر غنچۂ دل میں،
تو ہی ارماں عاشق ہے، تو ہی معشوق کا جلوہ
تو ہی پروانۂ سوزاں، تو ہی ہے شمعِ محفل میں،

سرورِ بے خودی کے لطف ہم سے پوچھ اے زاہد
مزے کی ہے شراب ناب اپنے جام عرفاں میں

کلیجہ تھام لیں اپنا یہ کہدو سننے والوں سے
سنبھلنا، دیکھنا، بچنا، کہ مَیں فریاد کرتا ہُوں

خاموشیوں نے غنچۂ تصویر کر دیا،
سنتے ہیں یہ کہ گُل کے دہن ہے زباں نہیں
خود بے خودئ شوق میں گُم ہو رہا ہوں میں
دل کی کسے خبر، کہ کہاں ہے کہاں نہیں

اثر ہے اس میں کس میخوار کی توبہ کا اے زاہد!
شکستِ شیشۂ دل کی ہے کچھ آواز ساغر میں

لانا نہ تھا جہاں میں مجھے آرزوئے زیست
قیدِ قفس میں تو نے پھنسایا اِدھر کہاں
واقف نہیں ہے دل ابھی افتادِ عشق سے،
اس ابتدا کی دیکھئے نکلے نہ انتہا کہاں

سیہ بختی بنی ہے میری خالِ خط پیشانی،
سمجھ لو بات نکتہ کی کہ میں بھی ایک نکتہ ہوں
کسی کے عشق نے بھر دی ہے مجھ میں شانِ یکتائی،
میں اپنا آپ ہمسر ہوں میں اپنا آپ شیدا ہوں

شبِ غم بڑھ کے کہتی ہے مرے اشکوں کی طغیانی
ڈبو دینے کو طوفاں ہوں بہا دینے کو دریا ہوں
سخن سے میرے آتی ہے دلِ مُردہ میں جاں رونق
میں سحرِ سامری فن ہوں، میں اعجازِ مسیحا ہوں

پروانہ صفت شمعِ سرِ بزم پہ ہٹ کر،
جانسوزیِ اُلفت کا مزا دیکھ رہے ہیں،
کیا پوچھتے ہو بزمِ تصوّر کے نظارے
اک جلوۂ صد ہوش رُبا دیکھ رہے ہیں،
اللہ رے نیرنگیٔ عالم کے تماشے
ہر رنگ میں اک رنگ نیا دیکھ رہے ہیں،

کیا اشارہ ہو گیا چشمِ سخنگو کا تیری،
یک بیک کیوں مائلِ گفتار آنکھیں ہو گئیں
لوٹ ہونے کو ادائے خوش خرامی پر تیری،
پائمالِ شوخیٔ رفتار آنکھیں ہو گئیں

گورِ ہو ہمکو مبارک کہ ہے پہلی منزل　　آج اِس راہ سے اللہ کے گھر جاتے ہیں

وہ مستِ چشمِ میگوں میں جدھر ہو کر نکلتے ہیں،
مہ و خورشید لے کر ہاتھ میں ساغر نکلتے ہیں

قیامت کی بھری ہے کج ادائی چشمِ پُرفن میں
مری تقدیر کا بل آگیا ہے ان کی چتون میں

تصویر بنا یا لبِ اعجاز بیان کو
بیٹھا ہوں محبت میں کئے بند زباں کو
قطرہ میں نظر آگیا دریا کا تماشا
دامن میں لیا پلکوں نے ہر اشکِ رواں کو

محوِ خیالِ حُسن رہے دل غلط غلط،
جب تک نگاہِ شوق کسی سے لڑی نہ ہو
تڑپا نہ اس قدر مجھے دردِ درونِ دل،
بیتابیوں سے عشق کی پردہ دری نہ ہو
مستِ خیالِ حسن جو رہتے ہو شوق میں
زوقِ شرابِ عشق کہیں تم نے پی نہ ہو

گر جلوہ ریزِ بزمِ جہاں تیرا نور ہو
ہر دل بنے کلیم، ہر اک آنکھ طور ہو

بنے تصویر میری پھر تیری صورت کا آئینہ
ترے جلووں پہ مجھکو اپنے جلووں کا گماں پھر ہو

نیاز و ناز حسن و عشق میں جب خاص نسبت ہے
تو کیوں یہ پردۂ پندار حائل درمیاں پھر ہو
دکھا دو پھر وہی جلوہ ہوئے تھے جس سے غش موسیٰ
تجلّی گاہ ایمن میں کسی کا امتحاں پھر ہو
اِدھر ہے حُسن بے پردہ اُدھر پردہ نگاہوں سے
رہا کرتے ہو جب دل میں نظر سے کیوں نہاں پھر ہو
دلِ پُر داغ اپنا گُلرخوں کا بن گیا مسکن
یہ وہ گلشن نہیں ہے اب جو پامالِ خزاں پھر ہو

شریکِ یاس ہو جائیں جو دل میں حسرت و ارماں
کبھی وحدت میں کثرت ہو کبھی کثرت میں وحدت ہو

جلوۂ صورت سے ہے رازِ حقیقت آشکار
بولتے دیکھا ہے ہم نے حسن کی تصویر کو

خمیرِ آب و گِل میں بھر گیا ہے حسن کچھ ایسا
کہ میری ہر رگ و پے میں نظر آتا ہے تُو مجھکو
یہ حیرت ہے کہ دل جس کے فریبِ حسن نے چھینا
نظر آتا نہیں پہلو میں وہ آئینہ رُو مجھکو
چلا سُوئے وطن جب وادیٔ غربت سے گھبرا کر
تو لینے دشت سے آیا جنونِ آرزو مجھکو
بسا کر کر دیا برباد کس نے دل کی دُنیا کو
نظر آتی نہیں شکلِ جہانِ آرزو مجھکو

یہ چاکِ دامنِ یوسفؑ ہے یہ میرا چاکِ پیراہن
نہ آیا ہے نہ آئیگا کبھی اِس کا رفو مجھکو
بسا ہے دل میں کچھ ایسا ترا رنگِ گلِ یکتا
کہ آتی ہے ہر اک شے سے جہاں میں تیری بُو مجھکو
سرِ محفل بنانا تھا مجھے تصویرِ حیرت کی
دکھاکر چل دیا صورت کوئی آئینہ رُو مجھکو
وہ رندِ لااُبالی ہوں نمازِ عشق کی خاطر
شرابِ ناب سے کرنا پڑا زاہد وضو مجھکو
نہ کوئی اور حسرت ہے نہ کوئی اور ارماں ہے
فقط اک تیرے ہی ملنے کی بس ہے آرزو مجھکو

ضیا بخشِ جہاں ہو کر بھی نظروں سے نہاں پھر ہو
نہیں کھلتی حقیقت جلوہ افگن تم کہاں پھر ہو
بھروسہ پر تیری رحمت کے جب جینا ہمیں ٹھہرا
جہاں میں لاکھ دشمن اپنا دَورِ آسماں پھر ہو
یہ پوچھے کوئی غنچوں سے چمن میں رازِ سربستہ
نہ ہو جب تابِ گویائی تو کیوں مُنہ میں زباں پھر ہو

کچھ بڑھ چکی ہے خنجرِ قاتل کی آرزو
اب رنگ لائے گی دلِ بسمل کی آرزو
رکھوں گا چشمِ شوق میں پُتلی بنا کے میں
ہوگی جو اُن کو پردۂ محمل کی آرزو
اُس نوبہارِ حسن نے وعدے کئے ہزار

پھولی پھلی کبھی نہ مگر دل کی آرزو
واقف ہیں مدعا سے مگر چھیڑ دیکھئے،
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں مرے دل کی آرزو
عشقِ بُتاں نے خاک میں رونق ملادیا
مجھکو مٹا رہی ہے مِرے دل کی آرزو

بنا دُردانۂ تسبیح یادِ حق میں ہر آنسو
یہ اعجازِ عبادت ہے مسلسل دیکھتے جاؤ
منوّر ہر گھڑی کاشانۂ دل اپنا رہتا ہے
خیالِ یار کی روشن ہے مشعل دیکھتے جاؤ
تقاضائے جنوں ہے ناخنِ وحشت کو بڑھنے دو
یہ ہوں گے عقدۂ دشوار سب حل دیکھتے جاؤ
اثر ہے میرے ہر تارِ نفس میں تارِ برقی کا
خبر ہر سانس کی ملتی ہے پل پل دیکھتے جاؤ
دُعائے مے پرستاں رنگ لائی معجزہ ہو کر
اُمنڈ آئے ہیں رحمت بن کے بادل دیکھتے جاؤ
بچھائے ہیں ادب نے منزلِ دشوار میں کانٹے
یہ راہِ عشق طے کرنی ہے پیدل دیکھتے جاؤ
لگی ہیں حضرتِ زاہد کی نظریں سوئے میخانہ
نہ جائے آج چوری کوئی بوتل دیکھتے جاؤ
جنوں میں حسرتیں ہیں سینکڑوں وابستۂ وحشت
نظر آجائے گا جنگل میں منگل دیکھتے جاؤ

سرشکِ چشم سے فرقت میں گر طوفان برپا ہو
نظر جس سمت اُٹھ جائے اُدھر دریا ہی دریا ہو
جو بحرِ غم میں آجائے تصوّر اُن کی مژگاں کا
غنیمت ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہو

خوف ہے، حشر میں میری سی کہے یا نہ کہے
دل بھی کمبخت کہیں اُن کا طرفدار نہ ہو
آئے کیا سوزشِ اُلفت میں مزا جینے کا
دل میں جب تک کوئی چبھتا ہُوا سوفار نہ ہو

رنگ لائے گا یہ جوشِ بحرِ ہستی ایک دن
کشتیٔ عمرِ رواں ٹکرائے گی ساحل کے ساتھ
دیکھتے ہیں ہر گھڑی اُلفت کا اک جذبہ نیا
ہو گئی ہیں جدّتیں پیدا ہزاروں دل کے ساتھ

اُف رے شبک روی کہ نشانِ قدم نہیں
چلتے ہیں وہ زمیں پہ عجب نازکی کے ساتھ
افسردگی ہے باعثِ صد تلخیٔ حیات
لُطفِ بہارِ زیست ہے زندہ دلی کے ساتھ
لیتی ہے دل میں چٹکیاں رہ رہ کے اُن کی یاد
اُٹھتی ہے ایک ہُوک مگر گُدگُدی کے ساتھ

وہ دل نہیں کہ جس میں تمنّا کوئی نہ ہو،

کانٹا لگا ہُوا ہے چمن میں کلی کے ساتھ

افسردگیٔ دل ہے دلیلِ غمِ دُروں
گُل کی شگفتگی ہے بہارِ چمن کے ساتھ
سوزِ دُروں نے آگ لگادی پسِ فنا،
شعلے بھڑک رہے ہیں بدن میں کفن کے ساتھ
غربت میں آج کون ہے پرسانِ بیکسی،
وہ جلسۂ تماشا تھے اہلِ وطن کے ساتھ
لینا نظر سے کام ہے حُسنِ کلام کا
ہونا ہے ہم سخن کسی غنچہ دہن کے ساتھ

بیت الصنم کو کعبۂ ایماں نہ کیوں کہیں ؟
منزل یہی بنی ہے حقیقت کے واسطے۔

شبِ فرقت ہجومِ حسرت و یاس و تمنا ہے
ہماری بے کسیٔ دل بھی گویا اک تماشا ہے
وہ کہنا ناز سے یارب کسی کا عرضِ مطلب پر
سمجھ میں کچھ نہیں آتا تمہارا مدعا کیا ہے
مٹائے دیتی ہے مجھکو خلش رشکِ رقابت کی
نکل جائے مرے دل سے جو یہ کانٹا تو اچھا ہے
اُبھر آنے دو جوبن کو ذرا رنگت نکھرنے دو
جوانی رفتہ رفتہ رنگ لائے گی ابھی کیا ہے

رونے سے غم میں اور اُبلتے ہیں اشکِ چشم
بھرتا ہے وہ سوا جو زیادہ کنوّاں چلے
ہیں سدِّ راہ منزلِ اُلفت میں آفتیں
جب بند راستہ ہو تو کیا کارواں چلے

اُنہیں اِک دن مِرے جذباتِ پنہاں کھینچ لائینگے
ملا رکھے ہیں دودِ آہ میں تاثیر کے ٹکڑے
پڑی ہے سنگِ بتخانہ ہی سے بُنیاد کعبہ کی
مبارک ہوں حرم والوں کو اس تعمیر کے ٹکڑے
شرارہ بن کے چمکی تھی جو کوہِ طور پر بجلی
یہ ذرّے ہیں زمیں کے سب اسی تنویر کے ٹکڑے
عیاں ہے پیکرِ انساں میں اک صورت خرابی کی
اُڑیں بادِ فنا سے کیوں نہ اِس تعمیر کے ٹکڑے

مانگ لوں کھو کے خودی کاش خودی کو خود سے
آپ ہُوں اپنا تمنائی یہ حسرت ہے مجھے

حرم و دیر جہاں میں یہی دو مسکن ہیں
تیرا جلوہ کہیں پنہاں کہیں پیدائی ہے۔

صنم کا ستمگر صلا چاہتا ہے۔ جفا کر کے دادِ جفا چاہتا ہے
سرد تن کا جھگڑا چکا چاہتا ہے یہ اب پاک قصّہ ہُوا چاہتا ہے
ہے صیّاد آنے کو فصلِ بہاری چمن سے قفس اب اُڑا چاہتا ہے

امُیدوں پہ بھی حسرتوں کا ہے مخزن خُدا جانے دل اور کیا چاہتا ہے
کیا ہے بہت خوار مےخواریوں نے
دلِ رند توبہ کیا چاہتا ہے

موسٰی کو کر گئی غش آوازِ لن ترانی،
واللہ خوب تیرا انداز گفتگو ہے۔
تو شمعِ انجمن ہے پروانہ دل ہے اپنا
پھر حسن وعشق کی کچھ محفل میں گفتگو ہے۔

پہلو میں ڈھونڈتی ہیں ہر دم تجھے نگاہیں
حسرت بھری نظر کو جلوہ کی جستجو ہے۔
میں دیکھتا ہوں تجھکو تیری تجلیوں سے
میری نگاہ تو ہے میرا خیال تو ہے۔
خاموشیاں ہیں تیری اک رازِ دلبری کا
پیدا ادا ادا میں اندازِ گفتگو ہے۔

حسن بے پردہ اگر ڈال دے سایہ اپنا
دِل کے آئینے پہ اِک اور جِلا ہو جائے

سحر تک بزم سے کافور ہو جائینگے سب جلوے
شبا شب شمع کی یہ گرمیٔ ہنگامِ صحبت ہے

جو سرکش ہیں حباب آسا وہی کچھ منہ کی کھاتے ہیں

اُبھرنا بحرِ ہستی میں فنا ہونے کا ساماں ہے
کیا ہے عشق نے وہ بے نیازِ آرزو دل کو
نہ اب کوئی تمنا ہے نہ حسرت ہے نہ ارماں ہے

کہاں نصیب کہ دیکھے جمالِ دوست کوئی
رسائی چاہیئے کچھ بختِ نارسا کے لئے
بھری ہوئی ہے مئے ارغواں جو شیشے میں،
اُٹھا رکھا ہے اسے ایک پارسا کے لئے

کہیں ہے یاس کا مسکن کہیں آباد حرماں ہیں
بسائی ہے دلِ پُرشوق نے دُنیا نئی اپنی
بھری ہے اِس میں نیرنگیِ طلسماتِ دو عالم کی
تماشا ساغرِ جم کا ہے چشمِ حیرتی اپنی
وہ سرمستِ محبت ہیں نہیں ہے ہوش اتنا بھی
کہاں تھے ہم کہاں لے آئی ہمکو بیخودی اپنی

سودا غضب کا اس دلِ وحشت اثر میں ہے
گھر دشت میں کبھی ہے کبھی دشت گھر میں ہے
سیرِ طلسم زارِ دو عالم نہ پوچھئے،
سب کچھ ہماری چشمِ حقیقت نگر میں ہے
اللہ رے کرشمۂ برقِ جمالِ یار،
اب تک وُہی غشی کا سا عالم نظر میں ہے

جب بزمِ وعظ میں کبھی سوجھی ہے جام کی،
پہلے زمیں پہ چھڑکی ہے قاضی کے نام کی

اشکِ چشمِ نم سے غم میں اُٹھ کے طوفاں رہ گئے
حالِ زارِ دل پہ اپنے ہو کے گریاں رہ گئے
لطفِ جانسوزی کو پروانوں سے پوچھو بزم میں،
خاک میں جل کر فدائے شمعِ سوزاں رہ گئے
بن گئی ناکامی مقصد شکستِ آرزو،
دل کے ارماں ہو کے صرفِ یاس و حرماں گئے
تھی بہارِ باغِ ہستی اک خزاں دیدہ بہار
صورتِ گلہائے خنداں ہو کے خنداں رہ گئے

روبرو اُن کے جھکتے ہیں جو عالی ظرف ہیں
جامِ صہبا دیکھئے، مینا کی گردن دیکھئے
بن گیا شوقِ ہوائے دید میں مسکن کہاں
اب ہے نخلِ شاخِ طوبیٰ پر نشیمن دیکھئے۔

نظر میں اپنی کھنچ جاتا ہے نقشہ اپنی ہستی کا
سبق عبرت کا لیتے ہیں خزاں میں ہم گلستاں سے
مٹا دیتا ہے اکثر بے نشانوں کے نشاں ظالم
الٰہی کیوں فلک کو لاگ ہے گورِ غریباں سے
اسے دیکھا ہے ہم نے ختم ہو جاتے گھڑی پل میں
قیامت کو کہاں نسبت ہے طولِ شامِ ہجراں سے

تمنائے بتاں، داغِ معاصی، حسرت و ارماں
یہی دو چار کانٹے لے چلے ہیں باغِ امکاں سے
جہاں میں ہے مآلِ کار اپنا حسنِ سیرت پر
بنا دیتی ہے خصلت ہی فرشتہ ہمکو انساں سے
نہ کر برباد فصلِ گل میں اے صیاد رہنے دے
کہاں لے جائے بلبل آشیاں اپنا گلستاں سے

خدا آباد رکھے میرے ارمانوں کی دنیا کو
یہ دِل حسرت بھرا اُن کی بھری محفل سے اٹھتا ہے
یہ وہ منزل ہے جس میں رہ گئے ہیں خضر بھی تھک کر
رہِ دشوار اُلفت میں قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

نہ تھی معلوم پروانہ کو سوزِ عشق کی لذّت
سبق سیکھا ہے جانسوزی کا حسنِ شمعِ محفل سے
شکستِ سازِ ہستی میں فنا کے دیکھکر جلوے
صدا لبیک کی آنے لگی ٹوٹے ہوئے دل سے

لبِ ساغر سے جو آتی ہے صدائے حق حق
جھک کے کیا بات کہی شیشہ نے پیمانے سے
بادہ کش وہ ہیں جو خم منہ سے لگا لیتے ہیں
ناپ کر ہم نہیں پیتے کبھی پیمانے سے

شاید مسل رہا ہے کلیجہ خیالِ یار!

دل میں ہمارے آج خلش کس بلا کی ہے
وہ قتل کو تُلے ہُوئے ہیں تیزیوں کے ساتھ،
تلوار کیا رواں نگہِ سُرمہ سا کی ہے

تڑپا رہے ہیں پھر خلشِ درد کے مزے
پھر دل کو کچھ طلب تیرے تیرِ ادا کی ہے
تم اپنی وضع کے ہو میں اپنے طریق کا
تم کو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے

پُھولا کئے گُل باغ میں ہنستے رہے بلبُل
جب دَورِ خزاں آیا تو تارے نظر آئے
پھر چھیڑ دیا یادِ بہاری نے جنوں میں
بھرنے پہ ذرا جب مرے زخم جگر آئے

بگڑیں گے ذکرِ وصل پہ تیور بنائینگے
برچھی ادا کو، ناز کو خنجر بنائینگے
روداد دل کو نقشِ مقدر بنائینگے
خطِ جبیں کو شوق کا دفتر بنائینگے
دے کر خرامِ ناز کے فتنوں کو ہم جگہ
دل کو زمین عرصۂ محشر بنائینگے
دے کر زبانِ شکوہ کو تعلیم دادِ جور
اُس پُر جفا کو اور ستمگر بنائینگے
رو رو کے ہجرِ ساقی میں کرنی ہے میکشی
دل کو صراحی، آنکھ کو ساغر بنائینگے

بزمِ ماتم

برانتقال منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی مرحوم

قطعات

(نتیجہ فکر منشی محمد صدیق حسن صاحب صدیق دہلوی۔ تلمیذ مولانا راسخ)

چرخِ ستم شعار نے کی زندگی وبال
بے چین کر گیا مجھے بھائی کا آج داغ
آنکھوں سے خونی اشک نہ ہوں کس طرح رواں
رونق دیا ہے تم نے جدائی کا آج داغ

۱۹ ع ۳۴

دم سے رونق ہی کے تھی قائم بہار انجمن
ہو گئے دنیا سے رخصت ہائے کیا رنگیں سخن
عیسوی و ہجریہ سے توڑ کر دشمن کا سر
رونق باغ ارم ہیں رونق شیریں سخن

۱۹۳۴ ع ۱۳۵۳ ھ

چل بسا دنیا سے ہائے اب وہی شیریں سخن
تھا جو دنیائے ادب میں آپ خود اپنی مثال

خود دمہ دم لے کے دم کے ساتھ رخصت ہو گیا
بے چھری کمبخت نے آکر کیا کیسا حلال
ہو گئی بزمِ صحافت آج سونی دیکھیے!
آہ! پیارے لال رونق کا ہُوا ہے انتقال
گرم تھی رونق کے دم سے رونقِ بزمِ سخن
ہو گیا دُنیا سے رخصت ہائے کیسا باکمال
کہد ے صدیقِ حزیں تو عیسوی تاریخ یہہ
سورگ میں چلتا ہُوا ہے رونقِ شیریں مقال

۱۹ ۶ ۳۴

قطعات

(از افتخار الشعرا منشی مہاراج بہادر برقؔ بی اے۔ دہلوی)

صد حیف! آج رونقِ شیریں سخن نہیں
اِس انجمن میں زیب دہ انجمن نہیں
اپنی جگہ جو فرد تھا دَورِ جدید میں
وہ نکتہ سنج ماہرِ رنگِ کہن نہیں

آج رونق جو نہیں بزمِ سخن سونی ہے
کیوں نہ مغموم ہوں سب یاس کی افزونی ہے
خلشِ خارِ جدائی ہے دلوں کے اندر
مرگِ رونق کا یہ صدمہ کوئی بیرونی ہے

آہ! دلی میں تھے گنتی کے مشاہیرِ ادب
ایک اُن میں سے بھی کم ہو گیا اے وائے غضب
محفلِ شعر کے تھے رکن جنابِ رونقؔ
خالی خالی ہے جگہ اُنکی تو افسردہ ہیں سب

کاملِ فن تھے یگانہ تھے جنابِ رونقؔ
مایۂ نازِ زمانہ تھے جنابِ رونقؔ
یاد سے اُن کی سخن سنج رہیں گے بیتاب
وہ دلاویز فسانہ تھے جنابِ رونقؔ

ماتمِ رونق

(از جناب منور لکھنوی)

آگیا فرق بہارِ سخنِ دلّی میں پھول مرجھائے ہوئے ہیں چمنِ دلّی میں
ذکر ہے مجمعِ اربابِ فنِ دلّی میں خاک رونق نہیں اب انجمنِ دلّی میں
ہو گیا لطفِ بقا خواب و خیال آخرِ کار
اُٹھ گیا رنگ وہ نقشِ کمال آخرِ کار

شررؔ افسردہ، طپاںؔ برقؔ، منورؔ غمگیں غوثؔ رنجیدہ، مدنؔ وقفِ الم، زارؔ حزیں
چشم نم ساحرؔ، بیخودؔ سے بھی ہیں اہلِ یقیں گفتنی حالِ دلِ کیفیؔ و شیداؔ کا نہیں
کیوں عزادار نہ ہوں بیخودؔ و سائلؔ دونوں
دل سے تھے رونقِ مرحوم کے قائل دونوں

پاس تھا نقدِ سخن، طبعِ رسا پائی تھی، فیضِ استاد سے جاگیر یہ ہاتھ آئی تھی
باعثِ راحتِ دل زمزمہ پیرائی تھی مدتوں گلشنِ راسخ کی ہوا کھائی تھی

داد دی اہلِ کمالات کی مرتے مرتے
کیوں نہ پھر لوگ مشاہیر میں شامل کرتے

چوٹ کھایا ہوا دل سختیٔ اُفتاد سے تھا شعلہ افروز جگر گرمیٔ فریاد سے تھا
شکوۂ جورِ سپہرِ ستم ایجاد سے تھا سینہ صد چاک غمِ فرقتِ داماد سے تھا
دلِ پروانہ کو تھی کلفتِ خاموشیٔ شمع،
لے گیا سوئے عدم شوقِ ہم آغوشیٔ شمع،

وجہِ تسکینِ دروں پھر بھی تھی صہبائے سخن دل بدستور رہا انجمن آرائے سخن
تھا ضیا بخشِ نظر جلوۂ رعنائے سخن دم رونقؔ سے رہی رونقِ دُنیائے سخن
ضبط سے کام لیا خُوئے تحمّل نہ گئی
کسی عنواں روشِ صبر و توکّل نہ گئی

اِس مسافر نے بڑھائی تھی وطن کی رونق دُرفشانی سے تھی دلّی میں عدن کی رونق
کلکِ گلریز سے پیدا تھی چمن کی رونق آہ! رونق نہیں اب بزمِ سخن کی رونق
وجہِ خاطر شکنی روز کی بیماری تھی
کوچ کرنے کی کئی ماہ سے تیاری تھی

آہ وہ مردِ جری کے سخنِ یاس انگیز آخری عمر میں وہ زندگیٔ حسرت خیز
ہو گیا نشۂ صہبائے اجل اتنا تیز کام آیا نہ ذرا ساغر و مے سے پرہیز
چل دیئے سوئے عدم چھوڑ کے ناشاد ہمیں
آئے گی حضرتِ رونقؔ کی بہت یاد ہمیں

آہ! منشی پیارے لال رونقؔ

(از حضرت شیدا دہلوی)

اے دل بزخمِ تیرِ حوادث فگار شو اے چشم از تراوشِ دل اشکبار شو

اے سینہ چوں سیاہیٔ شب داغدار شو اے رُوح چوں خموشیٔ کُنجِ مزار شو
حُسنِ سخن طراز وہ شیریں دہن نہیں
وہ پیارے لال رونقِ بزمِ سخن نہیں

وہ بے مثال آپ ہی اپنا نظیر تھا چالیس سال سے وہ مرا ہمصفیر تھا
گویا زبانِ داغ میں رنگِ امیر تھا وہ یادگارِ راسخِ روشن ضمیر تھا
دُہرا ہُوا ہوں غم سے، وہ رنگِ سخن ہے آج
میری کمر بھی زلفِ شکن در شکن ہے آج

گریہ کناں ہے رُوح بھی اشکوں کے ساز سے دل گھُل رہا ہے رنج و غمِ جانگداز سے
ارض و سما ہیں خوں غمِ حسرت طراز سے آئی صدا ہے دردِ نشیب و فراز سے
کیا لکھ سکے کوئی کہ یہ اب حال غم سے ہے
جاری لہُو کی دھار شگافِ قلم سے ہے

دلی کو جس پہ ناز تھا وہ دل نہیں رہا وہ سحر ساز رونقِ محفل نہیں رہا
فنِ سخنوری کا وہ سائل نہیں رہا تیغِ سخن طراز کا بسمل نہیں رہا
اب شعر قیدِ معنی میں موزوں لقب نہیں
لفظوں کو ربط مصرعِ رنگیں میں اب نہیں

عرض عروض تنگ ہُوا ہے نگاہ میں ڈوبی ہُوئی ہے بحر بھی اب غم کے چاہ میں
ارکان کا وجود ہے رنگِ سیاہ میں ماتم بپا ہے قافیوں کی بارگاہ میں
تشبیہ سینہ چاک جو رنج و الم سے ہے
ہل چل سی استعاروں میں اب کوہِ غم سے ہے

نوکِ قلم پہ مصرع بھی سد درد ہو گیا اب شعر سینہ کوبی میں اک فرد ہو گیا
بازارِ حُسنِ نظم کا بھی سرد ہو گیا چہرہ ردیف و قافیہ کا زرد ہو گیا
پھیکا ہُوا ہے رنگ مسدس کے بند کا
ہے پائے لنگ ذہن رسا کے سمند کا

ہے وہ ہجومِ غم کہ مضامین کھو گئے مختل حواس خمسہ مخمس کے ہو گئے
اشکوں سے حرف حرف قصیدے کے دھو گئے کانٹے الم کے شعر غزل گو میں بو گئے
تشبیب کے دماغ میں ناسور ہو گیا
قلبِ نظامِ نظمِ سخن چور ہو گیا

پھیلا ہُوا وہ رنج کا صدمہ فضا میں ہے تاثیرِ غم کی آج ہر اک سُو ہوا میں ہے
احساسِ درد سینۂ خلقِ خدا میں ہے رونق کی روحِ پاک جو دستِ قضا میں ہے
شیدا غم و الم کا بیاں کیا رقم ہو آج
میری زبانِ دل ہی صریرِ قلم ہو آج

جنت نصیب رونقِ عالی مکاں رہے دل سے دُعا ہے زینتِ خلد آشیاں رہے
دُنیا میں اس کلام کا سکّہ رواں رہے شیدا دہانِ خلق میں جبتک زباں رہے
اِک یادگارِ شاعرِ عالی مقام ہے۔
میدانِ نظم اس کے لئے ناتمام ہے۔

ماتمِ رونق

(از مصورِ فطرت کوی جوش ستر بی اے، دہلوی)

نقاشِ حسنِ فطرت اے باکمال رونق آئینہ دارِ وحدت اے بے مثال رونق
اے مصدرِ فصاحت اے پیارے لال رونق اے مخزنِ بلاغت عالی خیال رونق
روحِ روانِ معنی چھپ کر کہاں گئے تم
گلگشت کو اکیلے باغِ جناں گئے تم

جلووں میں ہو کے گم کیا تنویر بن گئے ہو خود کو مٹا کے من کی تصویر بن گئے ہو
رمزِ معارفت کی تفسیر بن گئے ہو نغماتِ سرمدی کی تاثیر بن گئے ہو
کس نیند سو رہے ہو اے بلبلِ معانی

ہو گلشن جہاں میں نغموں کی گُل فشانی۔

گلہائے تر وہی ہیں رنگِ چمن وہی ہے گردش وہی ہے اسکی چرخِ کہن وہی ہے
رونق تھی جنکی تم سے یہ انجمن وہی ہے احباب سب وہی ہیں بزمِ سخن وہی ہے
آتے نہیں ہو کیوں تم روٹھے ہُوئے ہو ہم سے
بیتاب ہم ہُوئے ہیں فرطِ غم و الم سے

چھائی ہُوئی ہیں دل پر اندوہ کی گھٹائیں جی چاہتا ہے رو کر عرش بریں ہلائیں
دکھڑا دلِ حزیں کا جا کر کسے سنائیں تم سا رفیق دنیا میں کس کو ہم بنائیں
خونِ جگر ہمارا ہے آب آنسوؤں کا
رو کے نہیں ہے رُکتا سیلاب آنسوؤں کا

اے مطلعِ شرافت اے پیکرِ صداقت مہر و وفا کے پُتلے سرچشمۂ محبت
رونق ہے لوحِ دل پر کندہ تمہاری عظمت خورشید کی طرح ہے روشن تمہاری شہرت
باطن میں پاس ہو تم ظاہر میں دُور ہو کر
زندہ کلام میں ہو دل کا سرور ہو کر

دُنیا سے جا رہے ہیں اگلے زمانیوالے رستہ بتا رہے ہیں دنیا سے جانیوالے
جلوؤں میں مل رہے ہیں خود کو مٹانیوالے پردہ اُٹھا رہے ہیں پردہ اُٹھانیوالے
کہتے ہیں جس کو دُنیا دھوکا ہے یہ نظر کا
اُڑتا ہوں بن کے نغمہ یہ خواب ہے شررؔ کا

مرثیہ

(از ستیہ پرکاش مہتاب پسروری)

کیا خبر تھی بخت بد بیٹھا ہُوا ہے گھات میں
نقشِ ہستی یک بیک مٹ جائیگا اک رات میں

کہہ رہے ہیں یہ کفِ افسوس مل کر اہلِ فن
ہائے رخصت ہوگئی اب رونقِ صد انجمن

مجھکو رہ رہ کر بدم حیرت یہ آتا ہے خیال
کیا پیارے لال رونق کر گئے ہیں انتقال

سچ تو یہ ہے شعر گوئی کا مزا جاتا رہا
کشتیٔ بحرِ سخن کا ناخدا جاتا رہا

تیرے ہی دم سے منور تھا چراغِ شاعری
اب کسے بزمِ سخن میں ہو دماغِ شاعری

دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہوگیا کیا انقلاب
کرلیا چشمِ فلک نے آہ کس کا انتخاب

مرثیہ پڑھتے رہو نعم البدل ملتا نہیں
اور رونق سا بھی عالم باعمل ملتا نہیں

شاعروں کی انجمن میں اک رکن کم ہو گیا
بزمِ عشرت میں بھی اسے مہتاب ماتم ہو گیا

آہ! رونق!

(" تیج " کے خاص شاعر کے قلم سے)

شاعرِ باکمال تھا رونق، ناظمِ خوش خیال تھا رونق
رشکِ طوطی و غیرتِ بلبل مردِ شیریں مقال تھا رونق

ہے دعا۔ خلد میں جگہ پائے
آپ اپنی مثال تھا رونق

تاریخِ وفات

(از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی)

غضب غضب کہ قضا نے پلٹ دیا آخر
ورق کتابِ حیاتِ جنابِ رونق کا

مجھے تو بزمِ سخن میں کوئی نہیں ملتا
مُقِر نہیں جو صفاتِ جناب رونق کا

وہ بات بات میں کرتے تھے معجزے پیدا
نہ تھا جواب نکاتِ جناب رونق کا

وُہی کلام جو دُنیا میں تھا سکوں کا سبب
وسیلہ اب ہے نجاتِ جنابِ رونق کا

دلِ حزیں سے منوّر یہ آرہی ہے صدا
کہ ہائے غم ہے وفاتِ جنابِ رونق کا

۱۹ بکرمی ۹۱

قطعات تاریخ طبع کلامِ رونق

(از شاعر باکمال منشی چیندربھان صاحب کیفی دہلوی)

شاعرِ جادو بیاں، جادو رقم جادو نگار
ہر غزل جس کی تھی رنگینی میں رشکِ صد بہار
مانگ تھی دیوان کی بازار میں چاروں طرف
کب چھپے گا، کب چھپے گا، ہو رہا تھا انتظار
طبع کی تاریخ کا کیفی مجھے بھی فکر تھا
شوق دل میں لے رہا تھا چٹکیاں بے اختیار
دو برس پہلے مجھے ہاتف نے یہ دی تھی ندا،
رونقِ شیریں سخن کی بے بہا ہے یادگار

۱۹	۶	۳۹

(از علامۂ دہر پنڈت امرناتھ صاحب ساحر دہلوی)

ہُوا طبع رونق کا دیوان ثانی — ادب کے چمن میں ہُوئی گلفشانی
یہ مرحوم کے دل کا ارمان نکلا — مگر کب؟ ہُوئی ختم جب زندگانی
اضافہ ہُوا جس سے علم ادب میں — یہ مرحوم رونق کی ہے وہ نشانی
رہا پیارے لال اب بزمِ سخن میں — سخن میں ہے گویا مگر بے زبانی
بفکرِ سنینش فرو شد چو ساحر — ندا آمد از رونق آنجہانی
بیا بیں دگر آبِ رفتہ بہ جوئے — شگفتہ گُل از گلشن جاودانی

۱۳	۶	۵۷

مطبوعات کائستھ اردو سبھا دہلی

"نغمۂ قصیر" موسومہ بہ "ترانۂ قصیر"

جس میں منشی گوری شنکر صاحب قصیرؔ دہلوی مرحوم کی بے نظیر ٹھمریاں، لاجواب دادرے، رنگیں ہولیاں، دلکش ملاریں اور عدیم المثال بھجن درج ہیں۔ مرتبہ منموہن ایم اے۔ ضخامت ۱۲۰ صفحے۔ قیمت فی جلد ۱۲؍ آنہ کاغذ اعلےٰ ۱۴؍

کلامِ مشتاق

یعنی منشی بہاری لال صاحب مشتاقؔ کی دلچسپ پہیلیاں، انتخابِ غزلیات، مثنوی فتوحِ اُمید، مسدس قرار داد وغیرہ۔

مرتبہ بھگوت سروپ ایم اے، ایم او ایل، منشی فاضل۔ ضخامت ۶۴ صفحہ، قیمت فی جلد ۶؍ ۔ کاغذ اعلیٰ ۸؍

مندرجہ ذیل کتابیں عنقریب شایع ہونے والی ہیں:-

(۱) کلام عاصیؔ دہلوی۔ یعنی ذوقؔ کے ہم عصر منشی گھنشیام لال صاحب عاصیؔ کا کلام جو اُردو ادب میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) کلام قصیرؔ منشی گوری شنکر صاحب قصیرؔ دہلوی مرحوم کی غزلیات کا انتخاب۔

من موہن دہلوی ایم اے

سکریٹری کائستھ اردو سبھا دہلی